افلا یتدبرون القرآن

قرآن مجید کے ادبی اسرار و رموز

حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	قرآن مجید کے ادبی اسرار و رموز
مؤلف	[illegible]
ناشر	[illegible]
اشاعت اول	نومبر 1999ء
اشاعت دوم	اکتوبر 2001ء
اشاعت سوم	اپریل 2004ء
اشاعت چہارم	جون 2005ء
تعداد	1100
کمپیوٹر کمپوزنگ	[illegible]

فہرست

باب نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
	پیش لفظ	5
1	کلمات کا اعجاز	19
2	ترکیب کا اعجاز	35
3	لطائف قرآنیہ	51
4	فصاحت و بلاغت	103
5	عجائبات القرآن	157
6	قرآن مجید اور علم عروض	171
7	اعجاز قرآنی	195

جمیع العلم فی القرآن لکن تقاصرت عنه افهام الرجال

تمام علوم قرآن میں ہیں لیکن لوگوں کی عقلیں ان تک نہیں پہنچ پاتیں
(علامہ شاطبی)

پیش لفظ

قرآن مجید، فرقان حمید، اللہ رب العزت کا کلام ہے۔ اسے دوسرے کلاموں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو رب کائنات کو اپنی مخلوق پر ہے۔ قرآن مجید انسانیت کے لئے دستور حیات ہے، منشور حیات ہے، ضابطہ حیات ہے بلکہ پوری انسانیت کے لئے آب حیات ہے۔ یہ انسانیت کو ہدایت دینے والی کتاب، بھٹکے ہوؤں کو سیدھے راستے پر لانے والی کتاب، قعر مذلت میں پڑے ہوؤں کو اوج ثریا پر پہنچانے والی کتاب اور شیطان کی پیروی کرنے والوں کو رحمٰن کی بندگی سکھانے والی کتاب ہے۔

اس کتاب کا دیکھنا بھی عبادت، پڑھنا بھی عبادت، پڑھانا بھی عبادت، سننا بھی عبادت، سنانا بھی عبادت، سمجھنا بھی عبادت، سمجھانا بھی عبادت اور اس پر عمل کرنا دنیا کی سب سے بڑی عبادت ہے۔ جس طرح لوہے کو کھینچنے کا مقناطیس ہوتا ہے اسی طرح قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو کھینچنے کا مقناطیس ہے۔ قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری رب ذوالجلال نے خود اپنے ذمہ لی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر :9)

(ہم نے یہ نصیحت اتاری اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں)

مومنین کے لئے اس کتاب سے نصیحت حاصل کرنا آسان بنا دیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (القمر : 17)

(اور البتہ ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا تو پھر ہے کوئی سمجھنے والا)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کو سمجھنے کے دو درجے ہیں۔ پہلا درجہ عوام الناس کا ہے اور اسے بہت آسان کر دیا گیا ہے۔ اس درجہ میں انسان کو اتنی سمجھ مل جاتی ہے کہ وہ ترغیب و ترہیب کی آیات اور قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں سمجھ لیتا ہے۔ دوسرا درجہ راسخین فی العلم کا ہے۔ یہ حضرات آیات قرآنیہ کے سمندر میں غوطہ زن ہوتے ہیں اور احکام الٰہی کے ہیرے موتی نکال لاتے ہیں ان علماء کی پوری زندگی اسی تدبر و تفکر میں گزر جاتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مضامین قرآن کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا۔

1. علم التذکیر بآلاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتوں کا اجمالی یا تفصیلی بیان
2. علم التذکیر بایام اللہ۔ حوادث اور واقعات عالم کا بیان۔
3. التذکیر بالمعاد۔ امور آخرت یعنی موت و قبر، حشر و نشر، سوال و جواب، حساب و کتاب اور ثواب و عذاب کا بیان۔
4. علم الاحکام۔ احکام الٰہی یعنی اوامر و نواہی اور اخلاقیات کا بیان۔
5. علم المخاصمہ: گمراہ لوگوں کے عقائد اور ان کا رد اور راہ حق کا بیان۔

ان علوم خمسہ میں سے پہلے علم کا تعلق مبدأ سے ہے۔ تیسرے کا معاد سے اور باقی تین کا معاش سے ہے گویا یہ کتاب علوم مبدأ و معاش و معاد پر پوری طرح حاوی ہے۔ علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے

جمیع العلم فی القرآن لکن   تقاصرت عنه افهام الرجال

(تمام علوم قرآن میں ہیں لیکن لوگوں کی عقلیں ان تک نہیں پہنچ پاتیں)

قرآن مجید کا ایک کھلا اور صاف سمجھ میں آنے والا اعجاز یہ ہے کہ اس کی ہر چند آیات میں یا تو اللہ تعالیٰ کا نام آئے گا یا اس کی طرف ضمیر جائے گی۔ مثلاً سورۃ مجادلہ کی ہر ہر آیت میں اللہ کا لفظ آتا ہے، سورۃ رحمٰن کی تقریباً ہر دوسری آیت میں ''رب'' کا لفظ آتا ہے بقیہ قرآن کی ہر چند سطروں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر موجود ہے۔ یہ اعجاز تو پہلی آسمانی کتابوں میں بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ لہٰذا تلاوت قرآن میں ایک خاص خوبی یہ ہے کہ اگر اس کی چند سطریں بھی پڑھ لی جائیں تو اللہ تعالیٰ کے نام کا چند بار ورد ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اس کا بغیر سمجھے محض تلاوت کرنا بھی باعث اجر ہے۔ قرآن مجید کے اس اسلوب کی وضاحت کے لئے چند آیات درج ذیل ہیں۔

◉ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (آل عمران ع19)

(یہ عذاب ان اعمال کا بدلہ ہے جو تمہارے ہاتھوں سے ظاہر ہو چکے ہیں اور بے شک اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا)

اس مقام پر دلیل سے دعویٰ مراد لیا ہے جس سے کلام مدلل بھی ہو گیا ہے اور اللہ کا نام بھی آ گیا ہے۔

◉ وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَ لَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (الحج ع 6)

(اور یہ لوگ عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں اور اللہ اپنا وعدہ ہرگز نہیں ٹالے گا)

اس فقرے میں یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ یہ لوگ جلدی مچا رہے ہیں لیکن ابھی عذاب کا وقت نہیں آیا وہ اپنے وقت پر آ کر رہے گا۔ اس طرح مضمون تو ادا ہو جاتا مگر اللہ تعالیٰ کا نام سلسلہ کلام میں نہ آتا۔ قرآن مجید نے ایسا انداز اپنایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی مخالفت نہیں کرتا۔ گویا جواب بھی دے دیا اور اللہ کا نام بھی فقرے میں نگینے کی طرح سجا دیا۔

◉ وَ اتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ (یونس ع11)

(وحی کی پیروی کرو اور صبر کرو اس وقت تک کہ اللہ کا حکم آ جائے)

یہاں کہنا چاہتے تھے کہ آپ صبر کریں حتیٰ کہ جہاد کا حکم نازل ہو جائے مگر بات کو اس انداز میں بیان کیا کہ پیغام بھی واضح ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کا نام بھی آ گیا۔ یہ خوبی ادیان عالم کی کسی الہامی کتاب میں نظر نہیں آتی۔ صفحات در صفحات کی ورق گردانی کر لیجئے، باب کے باب پڑھ لیجئے مگر یہ رنگ نظر نہیں آئے گا۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ قرآن مجید میں گزشتہ واقعات کی خبریں ہیں اور آئندہ کے متعلق پیشین گوئیاں ہیں، احکام ہیں، فیصلے ہیں، بیہودہ باتیں نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایک رشتہ استوار ہے، تذکرہ پر حکمت ہے، ایک راہ مستقیم ہے، اس سے برائیوں کی طرف میلان نہیں ہوتا۔ اس کی زبان کسی سے نہیں ملتی۔ علما اس سے سیر نہیں ہوتے اور اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے۔ اللہ اکبر کبیرا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ...... وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ (سورة ص 88)

(قرآن مجید تمام جہان والوں کے لئے تذکرہ ہے اور اس کی حقیقت

وقتاً فوقتاً تمہیں معلوم ہوتی رہے گی)

ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر زمانہ گزرتا جا رہا ہے اتنی ہی قرآنی علوم کی حقیقتیں لوگوں پر کھلتی چلی جا رہی ہیں۔

بقدر ظرف طالب یاں ہیں پیمانے مقدر کے
لئے جاتا ہے جو جس کو ملا پیمانہ بھر بھر کے

بڑے بڑے عقلا قرآن مجید کے آگے اپنی گردنیں جھکا چکے ہیں اور جھکاتے رہیں گے۔ "الحق یعلو ولا یعلی"۔ (حق اوپر رہتا ہے کوئی چیز اس سے اوپر نہیں ہو سکتی) تدبر قرآن سے متعلق قرآن مجید ہی میں بتائے گئے چند نکات اہمیت کے حامل ہیں۔

◉- قرآن مجید میں تدبر و تفکر نہ کرنا قساوت قلبی کی نشانی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

" اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (محمد 24

(پھر قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں)

◉- قرآن مجید کی تعلیمات سے صرف وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جن کے دل میں طلب ہو اور وہ قرآن مجید کی باتوں کو گوش ہوش سے سنیں اور ایسی مجالس میں حاضر باش ہو کر بیٹھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

" اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِيْدٌ "

(ق: 37)

(اس میں نصیحت اس کے لئے ہے جس کے پاس (سمجھ والا) دل ہو یا متوجہ ہو کر کان لگا دیتا ہے)

⊙ - یہ بھی حقیقت ہے کہ جس انسان کے دل میں روز محشر کا خوف ہو اس پر قرآنی تعلیم کا اثر جلدی ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ (ق: 45)

(تو قرآن کے ساتھ اس کو نصیحت کر جو میرے عذاب سے ڈرتا ہو)

⊙ - جو لوگ قرآنی تعلیمات کو نظر انداز کر کے خواہشات کی اتباع کریں گے ان کو قیامت کے دن اس کا حساب چکانا پڑے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ قَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوْرًا

(الفرقان:30)

(اور رسول ﷺ کہیں گے کہ اے میرے رب! بے شک میری قوم نے اس قرآن کو نظر انداز کر رکھا تھا)

⊙ - قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایسی تاثیر رکھ دی ہے کہ یہ سننے والے کے دل میں اپنا راستہ اس طرح بناتا ہے جس طرح دریا اپنا راستہ خود بنا لیتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے پاس جب بھی کوئی کافر آتا تو آپ ﷺ اس کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت فرماتے۔ حدیث پاک میں ہے ''تلی علیهم القرآن''

مولانا حالی اس کی منظر کشی درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا
وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمین جس نے ساری ہلا دی

مشرکین مکہ آپس میں مشورے کرتے تھے کہ ہمیں اس کلام کو ہرگز نہیں سننا چاہئے بلکہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لینی چاہئیں۔ ہمارے لئے غلبہ حاصل

کرنے کی یہی ایک صورت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْآنِ وَ الْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ

(حم سجدة :26)

(اور کافروں نے کہا اس قرآن کو نہ سنو اور اس میں شور کرو تا کہ تم غالب آؤ)

آیئے غور کیجئے، پڑھتے جایئے اور سر دھنتے جایئے کہ قرآن مجید نے ان کفار کو کس طرح عاجز و لاچار ثابت کر دیا۔

◎ - قرآن مجید نے ان کفار کو منہ توڑ جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ

(آل عمران: 12)

(کافروں سے کہہ دو کہ تم ہی مغلوب ہو گے اور دوزخ کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے اور وہ برا ٹھکانا ہے)

◎ - جس طرح ایک مچھر کوہ ہمالیہ کو پھونک مار کر ہلانے کی کوشش کرے تو یہ کتنی بے فائدہ کوشش ہوگی اسی طرح قرآن مجید کو مٹانے کے لئے قریش مکہ کی تمام کوششیں بے فائدہ ثابت ہوئیں۔ جب کفار کے پاس فرار کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو کہنے لگے

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ (المدثر: 24)

(یہ تو ایک جادو ہے جو چلا آتا ہے)

◎ - اس موڑ پر قرآن مجید نے کفار کو للکار کر کہا۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا

يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (الاسراء :88)

(کہہ دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جن مل کر بھی ایسا قرآن لانا چاہیں تو ایسا نہیں کر سکتے اگر چہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مددگار کیوں نہ ہو)

◎- جب کفار اس چیلنج کو قبول کرنے میں بھی ناکام رہے تو ان کو دوسرا چیلنج دیا گیا

قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ (هود: 13)

(کہہ دیجئے کہ ایسی دس سورتیں بنا لاؤ)

◎- جب کفار یہ بھی نہ کر سکے تو انہیں کہا گیا

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ (یونس: 38)

(ایک سورت اس جیسی لے آؤ)

◎- جب کفار سے یہ بھی نہ ہو سکا تو قرآن نے انہیں درج ذیل الفاظ میں وعید سنائی

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوْا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ

(البقرہ: 24)

(پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا اور ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں)

◎ - سوچنے کی بات یہ ہے کہ جن لوگوں کو اپنی زبان دانی پہ ناز تھا اور جو دوسروں کو عجمی (گونگا) کہتے ہوئے تھکتے نہ تھے اگر ان کے لئے یہ کام آسان ہوتا تو وہ ضرور کر گزرتے ۔ وہ کفار جو مسلمانوں کے خلاف جنگ میں اپنے بیٹوں کو قتل کروا سکتے تھے وہ اس چیلنج کو قبول کر کے مسلمانوں کو زیر و زبر کرنے کا آسان حل کیوں نہ قبول کر لیتے ۔ یہ ان کی غیرت کو ایک للکار تھی جس کا جواب دیئے بغیر کسی غیور عرب کے لئے چین سے بیٹھنا ممکن نہیں تھا ۔ مگر ہوا کیا ؟ ان

آتش بیان خطیبوں اور شاعروں کی محفل میں سناٹا چھا گیا ۔ یہی کہتے رہے

لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ (الانفال 31:)

(اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام ہم بھی کہہ ڈالیں)

◎ - ہر معاملے میں جھگڑا کرنے والے آخر اس معاملے میں جھگڑا کرنے کے لئے کیوں نہ آگے بڑھے ۔ حالانکہ قرآن مجید میں ایک جگہ ان کے متعلق فرمایا گیا ۔

بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ (الزخرف 58:)

(بلکہ وہ تو جھگڑالو ہیں)

دوسری جگہ فرمایا

وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا (مریم 97:)

(اور ڈرائیں آپ اس کے ساتھ جھگڑنے والوں کو)

◎ - معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی مثل لانا ان کے بس کی بات ہی نہیں تھی ۔ قرآن مجید میں فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا کے الفاظ کے ذریعے پہلے ہی اعلان کر دیا گیا تھا کہ یہ کام ان سے ہرگز ہرگز نہیں ہو سکے گا ۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

نزول قرآن کے وقت اقوام عرب میں ہر علم و فن کے ماہر لوگ موجود تھے ۔ سب نے اپنی اپنی رائے کے مطابق قرآن مجید کی جانچ پڑتال کی ۔ علمائے کرام نے گزشتہ واقعات کی تفصیل اور آئندہ کی خبروں سے قرآن مجید کی حقانیت کو تسلیم کیا ۔ بعض نے قرآنی تعلیمات کو علوم اخلاق و آداب پر حاوی تسلیم کیا ، بعض نے علوم معاشرت و تمدن میں یکتا دیکھا ، بعض نے قرآنی تعلیمات کو عقل و دانش کی کسوٹی پر

کندن کی طرح چمکتا پایا، بعض نے قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کو دیکھا تو تسلیم کر لیا کہ یہ بشر کی طاقت سے بالا کسی اور ذات کا کلام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ قِيلَ يٰاَرْضُ ابْلَعِىْ مَآءَكِ وَ يٰسَمَآءُ اَقْلِعِىْ (ھود 44)

(اور کہا گیا اے زمین! تو اپنا پانی چوس لے اور اے آسمان تو تھم جا)

تو اس کو پڑھ کر عربی کا مشہور ادیب اور انشا پرواز عبداللہ بن المقفع بے اختیار پکار اٹھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کلام کا معارضہ ناممکن ہے یہ ہرگز ہرگز انسانی کلام نہیں ہے۔

ہر کلام سے متکلم کی شان نمایاں ہوتی ہے عرفاء کا کلام پڑھنے سے دل میں نورانیت پیدا ہوتی ہے، شہوت پرستوں کے کلام سے آثار شہوت نمایاں ہوتے ہیں۔ کلام الٰہی کو پڑھ کر دل میں حق تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پیدا ہوتی ہے۔ ایک اعرابی نے کسی قاری کو یہی آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا تو اسی وقت اسلام لے آیا اور کہنے لگا زمین و آسمان کے نام پر یہ شاہانہ احکام جاری کرنا صرف اس ذات کے لئے ممکن ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے کسی اور سے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ اس لئے میں نے جان لیا کہ یہ کلام اس رب العالمین کا ہے جس نے کائنات کو پیدا کیا۔ (اصول تفسیر ص 75)

امرؤ القیس کی بہن نے جب یہ آیت سنی تو وہ کعبۃ اللہ میں گئی اور اس میں لٹکے ہوئے قصیدہ کے کاغذات کو اتار کر سمیٹ لیا۔ طبقات امم میں لکھا ہے

ان العرب اقامت تسجد لهذه المعلقات نحو مائة و خمسين سنة الى ان ظهر الاسلام و ابطل القرآن بسطوة فصاحته اعتبار العرب لهذه المعلقات

(اہل عرب ان معلقات سبعہ کو ڈیڑھ سو سال تک سجدہ کرتے رہے لیکن

جب اسلام کا ظہور ہوا تو قرآن نے اپنی سطوت فصاحت سے سبعہ معلقہ کے اعتبار کو باطل کر دیا)

یہ عمل اس بات کا منہ بولتا ثبوت تھا کہ انسانی کلام کا چراغ کلام الٰہی کا سورج طلوع ہونے کے بعد بے فائدہ ہو گیا ہے۔

قرآن مجید جہاں اپنی فصاحت و بلاغت میں بے مثال ہے وہاں اس کے دعوے کی نظیر بھی دنیا بھر میں کہیں نہیں ملتی۔ حیران کن بات تو یہ ہے کہ اس میں زمان و مکان کی بھی کوئی قید نہیں۔ پس جو دعویٰ آج سے چودہ سو سال پہلے کیا گیا تھا وہ آج بھی بدستور قائم ہے گویا ہر زمانے کی ہر قوم کے ہر فرد کے لئے چیلنج ہے کہ اگر کسی میں طاقت ہے تو آزما کر دیکھ لے۔ اعجاز قرآنی کے سامنے ہر ایک کو گھٹنے ٹیکنے پڑیں گے۔ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشفاء میں لکھا ہے کہ سورۃ الکوثر میں دس کلمے ہیں اور سارے کلام اللہ میں کچھ اوپر ستر ہزار کلمے ہیں۔ جب ستر ہزار کو دس پر تقسیم کریں تو سات ہزار معجزے بنتے ہیں۔ (الکلام المبین فی آیات رقم للعلمین۔ ص 20)

قرآن مجید کے مقناطیسی اثرات نے اہل عرب کے دلوں پر اپنی دھاک بیٹھا دی تھی۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

1. لبید ابن ربیعہ شاعر نے حضرت عمر فاروق ؓ کے سامنے اعتراف کیا کہ میں نے جب سے سورۃ البقرۃ و آل عمران پڑھی ہے شعر کہنا چھوڑ دیا ہے۔ بعد میں لبید ؓ نے اسلام قبول کیا اور حافظ قرآن بنے۔

2. حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے ابن الدغنہ نے کہا تھا کہ ہم آپ پر سختی نہیں کریں گے کہ اگر آپ قرآن مجید کو بلند آواز سے پڑھنا چھوڑ دیں۔ ہمیں ڈر

ہے کہ ہمارے بیوی بچے مسلمان نہ ہو جائیں۔

(3) ولید بن مغیرہ نے قرآن کے بارے میں یوں کہا:

واللہ ان لہ لحلاوۃ و ان علیہ لطلاوۃ و ان اسفلہ لمغدق و ان اعلاہ لمثمر و ما یقول ھذا بشر (الخصائص ج 1ص 113)

(اللہ کی قسم یہ شیریں کلمات ہیں اس میں حسن و جمال ہے نیچے سے اوپر تک ہرا بھرا ہے یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے)

(4) سلطان حبشہ (نجاشی) سورۃ مریم کی تلاوت سن کر ایمان لے آیا۔

(5) عتبہ ابن ربیعہ نے نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے سورۃ حم السجدہ کی تلاوت سن کر کفار کو بتایا انی و اللہ قد سمعت قولا ما سمعت بمثلہ قط و اللہ ما ھو بالشعر و لا السحر و لا الکھانۃ (اللہ کی قسم میں نے آج تک ایسا کلام نہیں سنا، نہ وہ شعر ہے نہ جادو ہے نہ کہانت ہے)

(6) جاحظ کے بقول حضرت عمرؓ اپنے زمانے میں اعلم الناس بالشعر (سب سے بڑھ کر فن شعر کے ماہر) تھے وہ بھی اپنی بہن فاطمہ بنت خطاب کی زبانی سورۃ طہٰ کی تلاوت سن کر مسلمان ہوئے۔

(7) کتاب تاریخ القرآن میں بحوالہ ابن ہشام منقول ہے کہ اسلام کے بدترین دشمن ابوجہل، عمر بن وہب اور ابن شریق بھی راتوں کو چھپ کر نبی اکرم ﷺ کی تلاوت سنتے تھے۔

(8) طفیل بن عمرو دوسیؓ اپنی قوم کے سردار اور شاعر تھے۔ قریش مکہ نے انہیں منع کیا کہ نبی اکرم ﷺ کی زبان سے قرآن نہ سننا۔ طفیل کے دل میں شوق اور زیادہ ہو گیا چنانچہ اس نے جب قرآن سنا تو کہا واللہ ما سمعت قولا احسن

منہ (اللہ کی قسم میں نے اس سے اچھا کلام نہیں سنا) اس کے بعد مسلمان ہو گئے۔

(9) ایک عرب نے آیت فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (الحجر ع 6) جس بات کا تمہیں حکم دیا گیا اسے ظاہر کریں) سنی تو سجدے میں گر گیا اور کہنے لگا کہ میں اس کلام کی فصاحت کو سجدہ کرتا ہوں۔

(10) سعد بن معاذؓ نے مصعب بن عمیرؓ سے قرآن سنا اور اسلام قبول کر لیا۔

(11) ایک شاعر نے قرآن مجید کی تلاوت سنی تو کہا کہ یہ فصاحت و بلاغت کا چمکتا ہوا ستارہ ہے۔

(12) عمر ابن سلمہ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی لوگوں سے سن سن کر قران مجید کو یاد کر لیا حالانکہ ان کی عمر صرف سات سال تھی۔

قرآن مجید کی سلاست و روانی، عبارت کی چستی، مناسب الفاظ کی بندش اس قدر موثر ہے کہ عربوں کی بجائے عجمیوں کی زبان میں بھی اس کے الفاظ و آیات کا استعمال روزمرہ کا معمول ہے۔ چنانچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ. بِسْمِ اللّٰہِ، اِنْ شَاءَ اللّٰہُ، مَاشَاءَ اللّٰہُ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ، وَ عَلَیْکُمُ السَّلَامُ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ، نَعُوْذُ بِاللّٰہِ، سُبْحٰنَ اللّٰہِ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ، اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ، لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَ زِیْدَنَّکُمْ، لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ، کُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا، فَاللّٰہُ خَیْرٌ حٰفِظًا.

اور اسی قسم کے بکثرت جملے موقع و محل کے مطابق روزمرہ کے محاورات میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ بعض کفار بھی اپنی گفتگو میں ان قرآنی الفاظ کو استعمال کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے یہ خارجی شواہد ہیں جن کو قیامت تک کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔ رہی بات داخلی شواہد کی

تو یہ کتاب اسی مقصد کے لئے تالیف کی گئی ہے۔

فقیر نے اپنی ذکر و سلوک کی تیس سالہ زندگی میں مختلف تفاسیر کے مطالعے کے دوران اپنے فائدے کی خاطر اپنی ڈائری میں اعجاز قرآنی سے متعلق چند نکات تحریر کر لئے تھے جن کو وقتاً فوقتاً مختلف محافل میں احباب کی خدمت میں پیش کرتا رہتا تھا۔ مدارس عربیہ کے طلباء اکثر اوقات یہ مطالبہ کرتے کہ ان باتوں کو اگر صفحہ قرطاس پر پیش کر دیا جائے تو یہ کام زیادہ لوگوں کی افادیت کا سبب ہوگا۔ فقیر نے ان کے حکم کی تعمیل میں قلم تو اٹھا لیا ہے مگر اپنی کم علمی اور کم عملی کے اقرار کے ساتھ اس طالبعلمانہ کوشش پر خوف زدہ بھی ہے کہ یہ جرأت کہیں گستاخی نہ سمجھ لی جائے۔ سنا ہے

ہرچہ گیرد علتی علت شود

(ناقص جو کچھ بھی کرتا ہے وہ ناقص ہوتا ہے)

تاہم اس امید پر قدم اٹھایا ہے کہ اس تحریر کو پڑھ کر اگر کسی طالب علم کے دل میں عظمت قرآن یا عشق قرآن میں اضافہ یا قرآن مجید کو سمجھنے کا شوق پیدا ہو گیا تو یہ عمل فقیر کی بخشش کا سبب بن جائے گا۔ مثل مشہور ہے کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہوتا ہے۔ قارئین کرام تحریر میں اگر کوئی غلطی دیکھیں تو نشاندہی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

گر ہمی خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآن زیستن

دعاگو و دعا جو

فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی

کان اللہ لہ عوضا عن کل شیء

باب 1

کلمات کا اعجاز

قرآن مجید کی بہترین تعریف خود قرآن مجید کو نازل کرنے والے علیم و خبیر پروردگار نے درج ذیل الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔

حٰمٓ ۔ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۔ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا (حم سجدہ ع1)

(یہ رحمٰن و رحیم کی ذات کی طرف سے نازل ہونے والی کتاب ہے۔ جس کی آیتیں مفصل ہیں اور اس کا نام قرآن ہے عربی زبان میں ہے دانشمندوں کے لئے ہے، یہ نیکو کاروں کو خوشخبری دینے والی اور بدکاروں کو ڈرانے والی ہے)

رحمٰن و رحیم کے الفاظ استعمال کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ نزول قرآن بمقتضائے رحمانیت و رحیمیت ہے نہ کہ بمقتضائے جباریت و قہاریت۔ اس کی آیات کا مفصل ہونا اور عربی زبان میں ہونا بھی رحمت خداوندی ہے۔ قرآن مجید چونکہ علوم کا بحر ناپید کنار ہے لہٰذا اس سے اہل علم ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں بد باطن جہلاء کو تو لہو و لعب سے ہی فرصت نہیں ہوتی۔ لفظ قرآن بروزن فعلان

مصدر بمعنی مفعول ہے۔ یعنی ایسی کتاب جو بار بار پڑھی جائے یا پڑھنے کے قابل ہو۔

قرآن کریم کے اعجاز کی بنیادی وجہ بہترین کلمات کا انتخاب لاجواب ہے جس طرح موتیوں کی مالا کا ہر ہر موتی قیمتی اور نفیس ہوتا ہے اسی طرح قرآن مجید کی آیات کا ہر ہر کلمہ بہترین اور عمدہ ترین چناؤ ہے۔ عربیت کا ذوق رکھنے والے حضرات کو تلاوت قرآن کے دوران یوں محسوس ہوتا ہے جیسے الفاظ کے نگینے ایک ساتھ پروئے گئے ہیں۔

بہترین الفاظ کا انتخاب:

قرآن مجید کے ایک لفظ کی جگہ اس کا ہم معنی دوسرا لفظ استعمال کریں تو موزونیت ختم ہو جاتی ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے

مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ (احزاب:4)

(اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے)

رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا (آل عمران:35)

(اے رب! جو کچھ میرے پیٹ میں ہے اس کو میں نے تیرے لئے نذر کیا سب سے آزاد رکھ کر)

مندرجہ بالا دونوں آیتوں پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ جوف اور بطن کے دو لفظ استعمال کئے گئے ہیں۔ دونوں الفاظ وزن میں ایک جیسے ہیں معنی میں بھی متقارب ہیں حروف کی کی تعداد میں بھی مساوی ہیں۔ مگر ایک کی جگہ دوسرے کو استعمال کریں تو مفہوم بگڑ جاتا ہے۔ کیونکہ بطن کا لفظ سینے کو شامل نہیں اس لئے

بچے کی پیٹ میں موجوگی کے لئے استعمال کیا گیا جب کہ جوف کا لفظ سینے کے اندرونی حصے کو بھی شامل ہے۔ لہٰذا قلب کی موجودگی کے لئے استعمال کیا گیا۔ دونوں الفاظ کا استعمال اپنی اپنی جگہ ہی خوبصورت اور موزوں نظر آتا ہے۔

(2) ارشاد باری تعالیٰ ہے

مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی (النجم 11)

(دل نے جھوٹ نہیں کہا جو دیکھا)

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ (ق 37)

(اس میں عبرت اس کے لئے ہے جس کے پاس دل ہو)

مندرجہ بالا دونوں آیتوں میں قلب اور فؤاد کا استعمال عجیب معانی کا حامل ہے۔ دل کو قلب اس لئے کہتے ہیں کہ ہر وقت متحرک رہتا ہے اور اس کے جذبات کا رخ تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ جب کہ دل کو فؤاد اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں فہم اور سمجھ ہوتی ہے۔ پہلی آیت میں فؤاد کا لفظ اختیار فرمایا کیونکہ حقیقت کا ادراک معاملہ فہمی سے ہوتا ہے۔ دوسری آیت میں قلب کا لفظ اس لئے اختیار کیا کہ جس دل میں حق کی طرف میلان ہو قرآن پاک سے اسی کو ہدایت ملتی ہے۔

(3) مکان بنانے کے لئے عام طور پر پکی اینٹوں کو استعمال کیا جاتا ہے۔ کلام عرب میں پکی اینٹوں کے لئے آجر، قرمد، اور طوب وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوتے تھے۔ ان الفاظ کی ادائیگی میں ثقل پایا جاتا ہے اس لئے ان کے استعمال سے کلام کے حسن و جمال میں کمی واقع ہو سکتی تھی۔ قرآن مجید میں ایک جگہ مکان بنانے کا تذکرہ ہوا مگر انداز ایسا لطافت بھرا اپنایا گیا کہ ثقیل الفاظ کے استعمال کی

ضرورت ہی پیش نہ آئی ۔ سورۃ قصص میں ہے

فَاَوْقِدْ لِیْ یٰھَامٰنُ عَلَی الطِّیْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا (القصص 38)

(اے ہامان! تو دہکا دے میرے لئے آگ مٹی پر پس بنا میرے لئے محل)

اس آیت مبارکہ میں ایقاد علی الطین (گارے پر آگ دہکا دینا) کا عنوان اختیار فرمایا گیا جس سے اظہار حقیقت کے ساتھ اس صنعت کی طرف رہبری بھی ہوگئی اور کسی ثقیل لفظ کا استعمال بھی نہ کرنا پڑا۔

(4) موت کے لئے اہل عرب کے ہاں متعدد الفاظ مستعمل تھے۔ مثلاً الحنف ، الحمام ، المنون ، الشعوب ، الفود ، السام ، القاضية ، المنية ، الخالج ، الشجب ۔ مگر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے موت کے لئے ان تمام الفاظ کو چھوڑ کر توفی کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو پورا پورا لے لینا۔ کیونکہ موت کے وقت روح حیوانی کو جسم سے پورا پورا نکال لیا جاتا ہے۔

(5) قرآن مجید میں اگر کہیں ثقیل الفاظ کو بوقت ضرورت بھی لایا گیا ہے تو اتنے دلکش انداز میں کہ وہ لفظ ثقیل ہونے کے باوجود بلاغت کے منافی نہ رہا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

تِلْکَ اِذًا قِسْمَۃٌ ضِیْزٰی (النجم :22)

(تب تو یہ بہت ہی بری تقسیم ہے)

اس آیت کریمہ میں ضیزی کے لفظ کا استعمال اتنے دلنشین انداز میں کیا گیا ہے کہ ثقل ختم ہو کر لطافت پیدا ہوگئی ہے۔ اس کی مثال اردو زبان میں بھی ملتی ہے۔ دیکھیے دھول دھپا کا لفظ عمومی بول چال میں ثقیل سمجھا جاتا ہے مگر مرزا غالب نے اپنے شعر میں بہت اچھے انداز میں اس کو پیش کیا ہے۔

دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہ تھا
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

پھر ایک اور خوبی ضیزی کے لفظ اختیار کرنے میں یہ ہے کہ ایک ثقیل لفظ کفار مکہ کی غلط تقسیم کے لئے استعمال کے گیا تا کہ بات کا گھناؤنا پن اور زیادہ واضح ہو سکے۔ اس سے بڑی اور بری بات کیا ہو سکتی ہے کہ اپنے واسطے بیٹے تجویز کرتے اور اللہ تعالیٰ کے واسطے بیٹیاں تجویز کرتے ان احمقوں کی اس ظالمانہ تقسیم کو بیان کرنے کے لئے فرمایا

تِلْکَ اِذًا قِسْمَۃٌ ضِیْزٰی

(کہ یہ تقسیم تو بہت ہی ظالمانہ تقسیم ہے)

تو اس تقسیم کی قباحت کو بیان کرنے کے لئے یہ لفظ سب سے زیادہ موزوں تھا۔ اس کے ثقل سے اس تقسیم کی قباحت اور کراہت خوب نمایاں کر دی۔ فصحاء کا دستور ہے کہ قابل نفرت اور ہولناک چیز کو بیان کرنے کے لئے ایسے کلمات اختیار کئے جاتے ہیں کہ ان کو سنتے ہی سامعین پر تنفر اور ہیبت کے آثار واقع ہو جائیں۔

(6) بعض الفاظ مفرد میں فصیح ہوتے ہیں مگر جمع میں ثقیل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ارض کی جمع ارضون اور اراضی آتی ہیں۔ اور یہ دونوں ثقیل ہیں۔ قرآن مجید میں ایک جگہ اس لفظ کے استعمال کرنے کا موقع تھا مگر بات اس انداز سے کی گئی کہ ثقل نام کی کوئی چیز باقی نہ رہی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ (الطلاق 12)

(اللہ نے سات آسمان پیدا کئے اور زمینیں بھی اتنی ہی)

پرمعانی الفاظ کا انتخاب:

قرآن مجید میں موقع و محل کی مناسبت سے ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن سے معانی و مفہوم کی بہت شاندار وضاحت ہوتی ہے اور انسان اثر قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاءَ کُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَاءَ کُمْ (البقرۃ 49)

(وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑتے تھے)

اس آیت مبارکہ میں بنی اسرائیل پر کئے گئے احسانات کو یاد دلایا جا رہا ہے۔ فرمایا گیا کہ وہ قتل کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ رکھتے تھے تمہاری عورتوں کو۔ درحقیقت بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کیا جاتا تھا اور بچیوں کو زندہ چھوڑ دیا جاتا تھا لیکن قرآن مجید نے بچوں کے لئے بیٹوں کا لفظ استعمال کیا تاکہ محبت جوش مارے جب کہ بچیوں کے لئے عورتوں کا لفظ استعمال کیا تاکہ غیرت جوش مارے۔ لہٰذا دونوں الفاظ ایسے استعمال کئے تاکہ محبت و غیرت جوش میں آئے اور نعمتوں کی قدر دانی کے لئے برانگیختہ کرے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ بچوں کو بچپن ہی میں ذبح کر ڈالتے تھے اور بچیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔ جو بڑی ہو کر عورتیں بن جاتی تھیں اس لئے قرآن مجید میں بیٹیوں کی بجائے عورتوں کا لفظ استعمال کرنا حقیقت پر مبنی ہے۔

(7) عربی زبان میں گلے کے لئے عنق اور جید کے دو مترادف الفاظ استعمال ہوتے ہیں مگر سورۃ لہب میں جید کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''فی جیدھا حبل من مسد'' واقعہ یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ جید کے ساتھ کلام میں روانی پیدا ہوئی ہے۔ اگر عنق اس جگہ لایا جاتا تو ثقل

پیدا ہوتا اور کلام میں بلاغت نہ رہتی۔

(8) عربی زبان میں اعطاء اور ایتاء کے دونوں الفاظ ہم معنی ہیں اور دونوں کا ترجمہ ہے دینا۔ قرآن مجید میں کہیں اعطی کا لفظ آیا ہے اور کہیں پر اتی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ امام الحرمین فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں ایک باریک سا فرق ہے۔ ایتاء میں اعطاء کی نسبت زیادہ قوت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اعطاء کے لفظ کا مطاوع آتا ہے کہا جاتا ہے

اَعْطَانِیْ فَعَطَوْتُ (اس نے مجھے دیا میں نے لے لیا)

اور یوں نہیں کہا جاتا اٰتَانِیْ فَاتیت بلکہ کہا جاتا ہے اٰتَانِیْ فَاَخَذْتُ اور جس کا مطاوع ہو وہ کمزور ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا وجود مفعول پر موقوف ہوتا ہے۔ اب دیکھئے ارشاد باری تعالیٰ ہے

حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّ ھُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبۃ 29)

(یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر)

چونکہ مشرکین جزیہ ناخوشی سے دیتے ہیں اسی لئے یہاں یعطوا کا لفظ استعمال فرمایا جب کہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ

یہاں اتوا کا لفظ لایا گیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ زکوۃ خوشی سے دینی چاہئے ناخوشی سے نہیں۔

الفاظ کی ترتیب کا اعجاز:

قرآن مجید میں الفاظ کی ترتیب کا ایسا لحاظ رکھا گیا ہے کہ معانی کے حسن میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا (المائدہ 38)

(چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا

اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِىْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (النور: 2)

(زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو)

ان دونوں آیات مبارکہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں چوری کرنے کا ذکر ہے وہاں السارق کا لفظ السارقة سے پہلے آیا ہے۔ لیکن جہاں زنا کرنے کا تذکرہ ہے وہاں الزانیة کا لفظ الزانی سے پہلے آیا ہے۔ یہ ترتیب کی تبدیلی بھی کوئی پیغام دے رہی ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ چوری کرنا مردانگی سے بعید ہے لہٰذا سارق کا تذکرہ پہلے کیا گیا ہے جب کہ زنا کرنا حیا سے بعید ہے لہٰذا زانیہ کا تذکرہ پہلے کیا۔ ویسے بھی زنا کے معاملے میں جب تک عورت ڈھیل نہ دے، بے پردگی کی مرتکب نہ ہو اس وقت تک مرد زنا پر قادر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا زانیہ کا تذکرہ زانی سے پہلے کیا گیا۔ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ ہر لفظ اپنی جگہ ہی اچھا لگتا ہے۔

تکرار الفاظ سے معانی کا حسن دوبالا:

① قرآن مجید میں تکرار الفاظ سے معانی کے حسن کو دوبالا کر دیا گیا ہے جب کفار نے رسولوں کی تکذیب میں مبالغہ کرتے ہوئے کہا۔

مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَ مَا اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ

(یٰسین 15)

(تم تو ہم جیسے انسان ہی ہو تم سب جھوٹ بولتے ہو)

تو اس کے جواب میں فرمایا گیا

قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّا اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ . وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ

(یٰسین 16)

(انہوں نے کہا ہمارا رب جانتا ہے کہ یقیناً ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے ہیں اور ہمارے ذمہ تو کھول کر پہنچا دینا ہے)

اس آیت میں ربنا یعلم کی قسم کے بعد دو تاکیدیں اور ہیں ایک ان کی اور دوسری لمرسلون میں لام کی تاکید ہے پھر جملہ کو اسمیہ لانے سے معانی کا حسن دوبالا ہو گیا ہے اور کلام میں جان پیدا ہو گئی ہے۔ سبحان اللہ، کفار کو دندان شکن جواب دینے کے لئے جملہ اسمیہ پر تین تاکیدیں لا کر کلام میں زور پیدا کر دیا گیا ہے۔

② کافروں نے جب آخرت کا انکار کرتے ہوئے کہا لن یبعثوا (انہیں ہرگز نہیں اٹھایا جائے گا) اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا

قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ

(التغابن 7)

(کہہ دیجئے کیوں نہیں میرے رب کی قسم تمہیں ضرور اٹھایا جائے گا پھر ضرور خبر دی جائے گی تمہیں اس کی جو تم نے کیا اور یہ اللہ پر آسان ہے)

اس میں تاکید کے لئے پہلے بلی وربی کے الفاظ سے قسم کھائی گئی پھر

لَتُبْعَثُنَّ کے لفظ میں لام تاکید اور نون تاکید ثقیلہ کو لایا گیا۔ پھر اس کے بعد لَتُنَبَّؤُنَّ کے ذریعے حساب کتاب کا بھی تاکید کے ساتھ ذکر کیا پھر آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کام کچھ مشکل نہیں ہے۔

(3) جب کافروں نے آخرت کا انکار کرتے ہوئے کہا

ءَاِذَا کُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِیْدًا (بنی اسرائیل 51)

(کیا جب ہم ہو جائیں گے ہڈیاں اور چورا چورا پھر اٹھیں گے نئے بن کر)

اللہ تعالیٰ نے بڑے زوردار کلمات کے ساتھ شاہانہ انداز میں ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔

قُلْ کُوْنُوْا حِجَارَۃً اَوْ حَدِیْدًا . اَوْ خَلْقًا مِّمَّا یَکْبُرُ فِیْ صُدُوْرِ کُمْ

(تو کہہ تم ہو جاؤ پتھر یا لوہا یا کوئی خلقت جس کو تم مشکل سمجھو اپنے جی میں)

اسی پر بس نہیں بلکہ سینوں کے بھید جاننے والے پروردگار نے کافروں کے دل میں پیدا ہونے والے اگلے سوال کو خود ہی بیان فرما دیا کہ

فَسَیَقُوْلُوْنَ مَنْ یُّعِیْدُنَا

(پھر کہیں گے کون لوٹا کر لائے گا ہم کو)

پھر اس کا جواب بھی درج ذیل الفاظ میں ارشاد فرمایا۔

قُلِ الَّذِیْ فَطَرَکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ

(کہہ جس نے پیدا کیا پہلی بار)

جب امکان بعثت ثابت ہو گیا تو کفار کے دل کی گہرائیوں میں ابھرنے والے اس سے اگلے سوال کو بھی بتلا دیا۔

فَسَیُنْغِضُوْنَ اِلَیْکَ رُءُوْسَهُمْ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی هُوَ

(پھر اب مٹکائیں گے تیری طرف اپنے سر اور کہیں گے کب ہوگا یہ)

پھر اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا

قُلْ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ قَرِیْبًا

(تو کہہ شاید نزدیک ہی ہو)

رہی یہ بات کفار کہتے ہیں کہ عذاب تو آتا نہیں قریب کیسے ہے؟ تو جس طرح انسان برے کو اس کے گھر تک چھوڑ کے آتا ہے قرآن مجید نے بھی کفار کے ساتھ وہی معاملہ کیا۔

یَوْمَ یَدْعُوْکُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَ تَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا

(جس دن تم کو پکارے گا تو چلے آؤ گے تم اس کی تعریف کرتے ہوئے اور تم سمجھو گے کہ نہیں دیر لگی تم کو مگر تھوڑی) (بنی اسرائیل : 53)

(4) کفار مکہ کی یہ عادت تھی کہ کشتی میں خدا کو یاد کرتے اور جب کنارے لگ جاتے تو خدا ہی کی نافرمانی شروع کر دیتے۔ گویا عملی طور پر یوں سمجھتے کہ اب خدا کی گرفت سے نکل چکے ہیں۔ قرآن پاک نے ان کی تردید کے لئے کیسا ٹھوس انداز اختیار فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ اِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِیَّاهُ فَلَمَّا نَجّٰکُمْ اِلَی الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ وَ کَانَ الْاِنْسَانُ کَفُوْرًا . اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَکُمْ وَکِیْلًا . اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَکُمْ فِیْهِ تَارَۃً اُخْرٰی فَیُرْسِلَ عَلَیْکُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ فَیُغْرِقَکُمْ بِمَا کَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَکُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا (بنی اسرائیل 69-67)

(اور جب آتی ہے تم پر آفت دریا میں بھول جاتے ہو جن کو پکارا کرتے تھے اللہ کے سوا پھر جب بچالایا تم کو خشکی میں پھر جاتے ہو اور ہے انسان بڑا ناشکرا۔ سو کیا تم بے ڈر ہو گئے اس سے کہ دھنسا دے تم کو جنگل کے کنارے یا بھیج دے تم پر آندھی پتھر برسانے والی، پھر نہ پاؤ اپنا کوئی نگہبان یا بے ڈر ہو گئے ہو اس سے کہ پھر لے جائے تم کو دریا میں دوسری بار پھر بھیجے تم پر ایک سخت جھونکا پھر ڈبو دے تم کو بدلے میں اس ناشکری کے، پھر نہ پاؤ اپنی طرف سے ہم پر اس کا کوئی باز پرس کرنے والا)

صلوں اور حروف کی زیادتی سے، حسن دوبالا:

قرآن مجید میں بعض مقامات پر حروف اور صلوں کی زیادتی اس انداز میں کی گئی ہے کہ کلام کی روانی اور کشش میں اضافہ ہو گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِقْرَءُوْا کِتٰبِیَه ...... مُلٰقٍ حِسَابِیَه ...... مَالِیَه ، سُلْطَانِیَه (الحاقة)

اس کلام میں اصل الفاظ کتابی، حسابی، مالی اور سلطانی تھے۔ مگر آخر میں ھا کی زیادتی نے کلام کے حسن کو چار چاند لگا دیئے ہیں ان حروف کو اپنی جگہ سے ہٹا کر اسی آیت کو دوبارہ پڑھیں تو زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ اس طرح سورۃ القارعۃ میں فرمایا و ما ادراک ماھیه نار حامیة اس میں ماھیه اصل میں ماھی تھا ھا کی زیادتی نے حسن دوبالا کر دیا ہے۔ مزید برآں آیت کے آخر کو ایک جیسا کر کے لطافت پیدا کر دی۔

ذیل میں امام ابی منصور عبد الملک بن محمد الثعالبی کی کتاب فقہ اللغہ سے چند

مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

1 قَالَ يَا بْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَ لَا بِرَأْسِي (طٰہٰ 94)

(اے میری ماں کے بیٹے نہ پکڑ میری داڑھی اور نہ میرا سر)

اس میں با حرف جر زائد ہے۔ کیونکہ اخذ فعل متعدی ہے لیکن با کے استعمال نے حسن و جمال میں اضافہ بھی کیا اور روانی بھی پیدا کر دی۔

2 اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى (العلق 14)

(کیا اس نے نہ جانا کہ اللہ دیکھتا ہے)

اس میں با حرف جر زائد ہے علم خود متعدی ہے تقدیر کلام یوں تھی۔ الم یعلم ان اللہ یری دونوں فکروں کی روانی میں فرق صاف ظاہر ہے۔

3 فَنَادَوْا وَّ لَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ (ص:3)

(اور نہ وقت رہا خلاصی کا) اس میں تا زائد ہے تقدیر کلام و لا حین مناص ہے معنی یوں ہے و لیس الحین فرار۔ مگر اس زیادتی نے کلام کی رونق کو دوبالا کر دیا۔

4 لَا اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ (القیامۃ:1)

(میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی) اس میں لا زائدہ ہے مگر اس کی وجہ سے کلام میں قوت پیدا ہوئی ہے اس لا کا ترجمہ نہ کیا جائے گا۔

5 غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ (الفاتحۃ:7)

(نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر غصہ کیا گیا اور نہ گمراہوں کا)

اس میں لا حرف زائدہ ہے اور الضالین کا عطف المغضوب پر ہے۔

6 قَالَ مَا مَنَعَکَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُکَ (الاعراف:12)

(فرمایا تجھ کو کس چیز نے منع کیا سجدہ کرنے سے جب میں نے تجھے حکم دیا)

مطلب یہ ہے کہ کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے منع کیا۔ اس میں بھی لا زائد ہے۔

7 فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ (آل عمران:159)

(پس اپنے رب کی رحمت سے آپ ان کے لئے نرم ہوئے ہیں)

اس میں ما حرف زائد ہے تقدیر کلام فبرحمۃ من اللّٰہ ہے۔

8 فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ (المائدہ:13)

(پس ان کے اپنے عہد کو توڑنے کی وجہ سے)

اس آیت میں ما کا لفظ زائد ہے تقدیر کلام یوں ہے فَبِنَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ مگر بما سببیہ کے بعد اس ما زائدہ کی وجہ سے ذکر کردہ سبب خوب ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

9 وَ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ (الرحمٰن:72)

(اور باقی رہے گی تیرے رب کی ذات بزرگی اور عظمت والی) اس میں لفظ وجہ تقدیر کلام سے زائد ہے۔ کیونکہ معنی یہ ہے کہ تیرے پروردگار کی ذات باقی رہے گی۔

10 رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الحجر:2)

اس میں تقدیر کلام رب یود الذین کفروا ہے۔ اور ما کافہ معنی میں زائدہ ہے اس ما کافہ کی وجہ سے رب فعل پر داخل ہو گیا ہے۔

11 وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا (الانعام:59)

(اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اس کو جانتا ہے) اس میں فاعل پر من زائدہ

داخل ہے تقدیر کلام و ما تسقط ورقۃ ہے۔

12 وَ كَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِى السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِىْ شَفَاعَتُهُمْ (النجم:26)

(اس میں من زائد کم کی تمیز پر داخل ہے تقدیر کلام و کم ملک فی السموت ہے۔

13 وَ كَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا (الاعراف:4)

(اور بہت بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا)

اس میں من زائدہ کم کی تمیز پر داخل ہے تقدیر کلام و کم قریۃ ہے۔

14 قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا اَبْصَارِهِمْ (النور:30)

(کہہ دیجئے ایمان والوں کو نیچی رکھیں اپنی نگاہیں)

اس میں من زائدہ ہے کیونکہ یغضوا فعل متعدی ہے اور ابصار مفعول بہ ہے۔

15 لِلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ (الاعراف:154)

(ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں) اس میں لام زائدہ ہے۔

16 اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ (یوسف:43)

(اگر تم خواب کی تعبیر دیتے ہو) اس میں لام زائد ہے تقدیر کلام ان کنتم الرؤیا تعبرون ہے۔

17 وَمَا عِلْمِىْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الشعراء:112)

(مجھے کیا معلوم جو وہ کرتے ہیں) اس میں با زیادہ ہے۔ کیونکہ علم خود متعدی ہے اور ما موصولہ اس کا مفعول بہ ہے۔

واضح رہے کہ حقیقتاً قرآن پاک میں کوئی کلمہ بھی زائد نہیں ہے۔ جن کلمات کو نحویوں نے زائد کہا علمائے بلاغہ نے ان کو ادوات تاکید میں شمار کیا ہے۔ اس واسطے منکر کے جواب میں ان حروف کو تاکید پیدا کرنے کے لئے لایا جاتا ہے۔ ایک مثال سے بات واضح ہو جائے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ وَ مَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا

(الاحزاب:14)

(کہتے ہیں ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں اور وہ کھلے نہیں پڑے وہ تو صرف بھاگنا چاہتے ہیں) اس آیت میں ان بیوتنا عورۃ کو رد کرنے کے لئے فرمایا وماھی بعورۃ۔ اس میں باحرف زائد دراصل تاکید کے لئے ہے۔

باب 2

ترکیب کا اعجاز

قرآن مجید میں فقرات کو بنانے کے لئے الفاظ کو اس خوبصورتی سے جوڑا گیا ہے کہ پڑھنے والا عش عش کر اٹھتا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

الفاظ قلیل معانی کثیر:

کلام کی خوبصورتی اور خوبی کی ایک دلیل یہ بھی ہوتی ہے کہ تھوڑے الفاظ میں زیادہ مفہوم بیان کیا جائے۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے

خَيْرُ الْكَلَامِ مَا قَلَّ وَ دَلَّ (بہترین کلام وہ ہوتا ہے جو تھوڑا ہو اور مدلل ہو)

اردو زبان میں تو ضرب المثل ہے دریا کو کوزے میں بند کر دیا اور قرآن مجید کی تلاوت سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا سمندر کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ بات پہنچانے میں قرآن اپنی مثال آپ ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

① اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى (البقرۃ282)

(کہ بھول جائے ایک تو یاد دلائے اس کو دوسری)

اس مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کرنے کے لئے جتنا مرضی زور لگایا جائے ڈیڑھ دو گنا الفاظ زیادہ استعمال کرنا پڑیں گے۔ عربیت کے ماہرین کی عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں۔

② حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین پہنچ کر دعا مانگی ارشاد باری تعالیٰ ہے

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ . فَجَآءَتْهُ اِحْدٰهُمَا تَمْشِیْ عَلَی اسْتِحْیَآءٍ (القصص 25-24)

(کہا اے میرے رب ! بے شک جو تو میری طرف اچھی چیز اتارے میں اس کا محتاج ہوں۔ پھر آئی اس کے پاس ان دونوں میں سے ایک چلتی ہوئی شرم سے)

اس میں تقدیر کلام یوں ہے۔

فذهبتا الی ابیهما و قصتا علیه ما كان من امر موسیٰ فارسل الیه فجاء ته احداهما

اس کلام سے اندازہ لگانا آسان ہے کہ مختصر الفاظ میں کتنی ساری بات کو کہہ دیا گیا ہے۔

③ جہنم کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ (ق:30)

(جس دن ہم دوزخ سے کہیں گے کیا تو بھر گئی تو وہ کہے گی کیا اور بھی ہے)

جہنم کی وسعت کے بارے میں اس سے جامع بات کہنا ممکن ہی نہیں ہے۔ ایک عرب ادیب نے بعض ایسے غیر مسلم لوگوں کو اپنے گھر پر دعوت دی جو قرآن پاک کے اس چیلنج کا مذاق اڑاتے تھے کہ ایسی کوئی کتاب لا ہی نہیں سکتا۔ کھانے سے فراغت پر اس نے سب کو کہا کہ جہنم بہت بڑی ہے۔ اس کی وسعت کو الفاظ

کے سانچے میں ڈھال کر دکھائیں۔ سب لوگوں نے اپنی طرف سے بہتر سے بہترین بات کہنے کی کوشش کی مگر الفاظ زیادہ اور معانی کم والی بات سامنے آئی۔ جب سب لوگ طبع آزمائی کر کے تھک چکے اور صاحب خانہ کو مطمئن نہ کر سکے تو انہوں نے صاحب خانہ سے پوچھا کہ آپ بتائیں کہ اس مضمون کو اس سے اچھے الفاظ میں کیسے بیان کر سکتے ہیں؟ میزبان نے قرآن مجید کی آیت پڑھی۔ یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ یہ سن کر سب حاضرین نے کلمہ پڑھا اور اسلام کے دامن میں داخل ہو گئے۔

④ ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (الاعراف:54)

(خبردار اسی کے لئے ہے پیدا کرنا اور حکم کرنا)

کائنات دو قسم کی ہے ایک تو وہ جس کی پیدائش تدریجاً ہوئی جیسے انسانی جسم اور تمام تر مادی اشیاء کہ ان کی تکمیل آہستہ آہستہ ہوئی۔ اس کے برخلاف کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جو یکدم پیدا کر دی گئیں جیسے فرشتے، لوح، قلم، کرسی اور روح وغیرہ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ

(آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کا حکم ہے)

یوں بھی کہا جاتا ہے کہ پیدا کرنا خلق ہے اور پیدا کرنے کے بعد تکوینی یا تشریعی احکام دینا امر ہے۔ اور دونوں اس کے اختیار میں ہیں۔ پس وہی سب خوبیوں اور برکتوں کا سرچشمہ ہے۔ اس آیت کی جامعیت پر غور کیجئے کہ چار الفاظ میں کتنا بڑا مضمون ادا کر دیا گیا ہے۔

⑤ ارشاد باری تعالیٰ ہے

اُسْلُکْ یَدَکَ فِیْ جَیْبِکَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْءٍ (القصص 32)

(ڈال اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں نکلے گا سفید ہو کر بغیر کسی برائی کے)

اصل یہی ہے اُسْلُکْ یَدَکَ فِیْ جَیْبِکَ وَ اخرجھا تخرج بیضاء اس جگہ و اخرجھا محذوف ہے۔ بات کسی قدر مختصر الفاظ میں کی گئی ہے۔

⑥ ارشاد باری تعالیٰ ہے

هُوَالَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِتَسْکُنُوْا فِیْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا (یونس:67)

(وہی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے رات کو تا کہ اس میں چین حاصل کرو اور دن کو دکھانے والا)

رات کی حکمت ذکر کر دی اس کا وصف حذف ہے اور دن کا وصف ذکر کر کے اس کی حکمت ذکر نہ کی اصل عبارت یوں ہے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ مُظْلِمًا لِتَسْکُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا لِتَبْتَغُوْا وَتَتَحَرَّکُوْا فِیْهِ

پس اس عبارت کے تیرہ الفاظ کی بجائے فقط نو الفاظ میں بات سمیٹ دی۔

مضمون کا اچھوتا انداز:

قرآن مجید میں مضامین کا انداز اتنا اچھوتا ہوتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ عربوں میں قتل کے بدلے قتل کرنے کا عام رواج تھا۔ اس مقصد کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے درج ذیل فقرات زبان زد عام تھے۔

① قَتْلُ الْبَعْضِ اَحْیَآءٌ لِلْجَمِیْعِ (بعض کا قتل کر دینا سب کے لئے زندگی ہے)

اس فقرے میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ بعض لوگوں کو قتل کر دیا جائے تو

سب کی جان بچ جائے گی۔ اس فقرے میں لفظی محاسن بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ کلام فصیح ہونے کے ساتھ ساتھ بدیع بھی ہے۔ تاہم اس فقرے میں ایک تو لفظ قتل سے حق یا ناحق کی وضاحت نہیں ہوتی۔ دوسرے قتل البعض کی عمومیت سے حکم کی خصوصیت پر کافی روشنی نہیں پڑتی۔ حالانکہ متکلم کا منشا ہے کہ ان لوگوں کو قتل کرنا جو واجب القتل ہیں یعنی قتل عوض ہیں۔ مزید برآں اس کلام میں تاکید کے لئے کوئی لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔

② اَکْثِرُوْا الْقَتْلَ لِیَقِلَّ الْقَتْلُ (قتل کی زیادتی کرو تا کہ قتل کم ہو جائے)

اس فقرے میں اہمیت خطاب پائی جاتی ہے۔ صنعت مقابلہ کے ساتھ ساتھ تجنیس و حسن تکرار بھی ہے۔ لیکن اس فقرے میں ایک نقص موجود ہے۔ منشائے متکلم تو یہ ہے کہ قتل عوض سے لوگ خائف ہو کر قتل کرنا کم کر دیں مگر ظاہری طور پر اس کلام میں قتل عوض کی کثرت کا حکم دیا جا رہا ہے جب کہ قتل عوض کی کثرت ظاہری طور پر قتل ظلم کی نشانی ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ کلام بھی چنداں بہتر نہیں سمجھا گیا۔ اس سے زیادہ بہتر قول درج ذیل ہے۔

③ اَلْقَتْلُ اَنْفٰی لِلْقَتْلِ (قتل کو سب سے زیادہ روکنے والی چیز قتل ہے)

یہ کلام سابق الذکر دونوں فقروں سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے۔ اس میں الفاظ کم ہیں مگر معنی وسیع ہیں۔ فصحائے عرب نے اس فقرے کو فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے سب سے مقدم کیا ہے۔ اس میں حسن بیان، سلاست و روانی اور شوکت مضمون پائی جاتی ہے۔ لفظ انفی صیغہ افعل التفضیل حکم کی اہمیت کا واضح ثبوت ہے لیکن ان سب کے باوجود اس میں بھی نقص موجود ہے۔ قتل کا لفظ اب بھی اپنے مدعا کو واضح کرنے کے لئے ناکافی ہے۔ تکرار قتل کی قباحت بھی موجود ہے۔ اس فقرے کے الفاظ میں طرفگی نہیں پائی جاتی لہٰذا یہ بدیع نہیں ہے۔ شائد ان

فقرات میں بلاغت کے مسلمہ نقائص چھپے رہتے مگر قرآن پاک کی آیت نے ان کا بھانڈا بیچ چوراہے میں پھوڑ دیا۔

④ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ

(خون کا خون لینے ہی میں تمہاری زندگی ہے (البقرہ ع 22)

یہ آیت فصاحت و بلاغت اور صنائع و بدائع کے لحاظ سے ایک ایسی بلندی پر ہے کہ اس کے آگے تمام بلندیاں پست ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے نازل ہوتے ہی فصحاء و فضلاء میں ہلچل مچ گئی۔ محاسن معنی و بیان کے لحاظ سے دیکھیں تو آیت کے الفاظ پر قربان ہونے کو جی چاہتا ہے یہ آیت سلاست و روانی میں بے مثال ہے۔ وضاحت معنی میں بے نظیر اور حسن الفاظ میں عدیم المثال ہے۔ حکم قصاص کی مشروعیت کو جس مدلل انداز میں بیان کیا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ لفظ ولکم کو پہلے لانے میں دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ کلام سامع کی نظر میں اہم ہو گیا، دوسرا یہ فائدہ ہوا کہ متکلم نے اشارہ کر دیا کہ قصاص کا حکم میری ذاتی اغراض پر مبنی نہیں بلکہ اس میں خود تمہارا فائدہ ہے۔ اس سے قتل ظلم میں جو کمی واقع ہو گی وہ تمہارے لئے آسائش و رحمت کا سبب بنے گی۔ اس کے بعد فی القصاص کا تذکرہ کرنے میں تاکید پیدا ہو گئی ہے۔ گویا کہنا یہ چاہتے ہیں کہ قصاص ہی قتل ظلم کو کم کر سکتا ہے۔ صفائی بیان کا یہ عالم ہے کہ اس کلام الٰہی کو سنتے ہی منشائے کلام خود بخود سمجھ آ جاتا ہے۔ شوکت بیان ایسی ہے کہ آیت کو پڑھتے ہی دل پر ہیبت چھا جاتی ہے۔ قصاص کے لفظ میں بہت وسعت ہے اس سے جان کے بدلے جان اور ہاتھ، ناک، کان وغیرہ اعضائے انسان کے بدلے قطع اعضاء کی بھی وضاحت موجود ہے۔ ظالم لوگ فقط قتل سے ہی نہیں رکیں

گے بلکہ جارحانہ حملے سے بھی باز آ جائیں گے کہ مبادا کوئی عضو نہ ٹوٹ جائے۔ لفظ قصاص الف لام کی وجہ سے معرفہ ہے۔ اس لئے اس سے جان کے بدلے جان ہی مراد لی جا سکتی ہے۔ اس حکم نے جاہلیت کے اس حکم کو بھی مٹا دیا کہ بعض اوقات ایک جان کے بدلے سینکڑوں کی جانیں تلف ہو جاتی تھیں اور اہل عرب اس کو جائز سمجھتے تھے۔ قصاص کے لفظ نے ان لوگوں کی زندگیوں کو محفوظ کر دیا جن کا قتل میں کوئی حصہ نہ تھا۔ مزید برآں قصاص اور حیوۃ میں صنعت مقابلہ ہے۔ قتل کا لفظ طبائع سلیم کے لئے قابل نفرت ہے جب کہ قصاص اور حیوۃ کے الفاظ مانوس طبع ہیں۔ یہاں پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ عرب زباندانوں کے جملے اس آیت کے سامنے سجدہ ریز دکھائی دیتے ہیں۔

مؤخر کو مقدم اور مقدم کو مؤخر کرنا:

قرآن مجید میں بعض مقامات پر مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کر کے لطافت پیدا کر دی گئی ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

① حضرت مریم علیہ السلام کو فرمایا گیا

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ

(آل عمران:43)

(اے مریم! بندگی کر اپنے رب کی اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنے والوں کے)

آیت کریمہ میں سجدے کا لفظ پہلے لایا گیا ہے اور رکوع کا لفظ بعد میں جب کہ نماز میں رکوع پہلے ہوتا ہے اور سجدہ بعد میں ہوتا ہے۔ اس تقدیم و تاخر میں دو حکمتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس آیت میں رکوع کو ممتاز کیا گیا ہے۔ تفسیر عثمانی کے مطابق

یہودیوں کی نماز میں رکوع نہیں تھا لہٰذا انعام خداوندی کو بیان کرنے اور اس کی امتیازی شان اجاگر کرنے کے لئے رکوع کا تذکرہ بعد میں کیا گیا ہے۔

دوسرا یہ کہا گیا کہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کرو اور امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہونے والے کو چونکہ رکعت کا پانے والا سمجھا جاتا ہے اس لئے نماز کو بعنوان رکوع تعبیر کیا گیا ہے (کَمَا یُفْهَمُ مِنْ کَلَامِ ابْنِ تَیْمِیَهَ فِیْ فَتَاوٰہ) اس سے معلوم ہوا کہ مؤخر کو مقدم کرنے اور مقدم کو مؤخر کرنے میں بھی لطافت بیان موجود ہے۔

2 ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اٰتُوْنِیْ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا (الکھف: 96)

(لاؤ میرے پاس کہ ڈالوں اس پر پگھلا ہوا تانبا)

اس میں تقدیر کلام یوں تھی اٰتُوْنِیْ قِطْرًا اُفْرِغْهُ عَلَیْهِ مگر مقدم کو مؤخر کرنے کی وجہ سے کلام میں روانی آ گئی ہے۔

3 ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْکِتٰبَ وَ لَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا. قَیِّمًا (الکھف: 96)

اس آیت میں تقدیر کلام یوں ہے۔

اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْکِتٰبَ قَیِّمًا وَّ لَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا

یہاں مقدم کو مؤخر کرنے میں کلام کی سلاست و روانی میں اضافہ ہوا۔

التفات سے حسن کلام میں اضافہ:

التفات کے معنی ہیں مڑ کر دیکھنا۔ اصطلاح میں کلام کا رخ مقتضائے ظاہری سے پلٹ دینے کو التفات کہتے ہیں۔ اس سے کلام میں تنوع پیدا ہوتا ہے طرز بیان کی رنگ برنگی کلام کو بوجھل نہیں ہونے دیتی بلکہ اسکی دلچسپیاں کلام کو مرغوب

طبع بنا دیتی ہیں آیت مبارکہ ہے

وَمَالِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ (یٰسین ع 2)

(کیا وجہ ہے کہ اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور تم سب اس کی طرف جانے والے ہو)

اس آیت میں طرز کلام تکلم پر ہے صورتحال کا تقاضا یہ تھا کہ تُرْجَعُوْن صیغہ خطاب کی بجائے یہاں پر ارجع ہوتا مگر سطحی نظر سے دیکھنے والوں کو بات سمجھ نہیں آتی۔ یہاں پر بلاغت کلام کی حد ہوگئی ہے۔ حقیقت حال کو سمجھنے کیلئے سباق آیت پر غور کرنا پڑے گا۔ پچھلی چند آیات کو پڑھنے سے وضاحت ہوتی ہے کہ اصحاب قریہ ان رسولوں سے نہایت برہم تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّکُمْ.

(اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کر دیں گے)

ایسے دشمنان جان کو سمجھانا کوئی آسان کام نہیں ہوتا نہایت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے حکمت سے کام لینا پڑتا ہے۔ بات کا انداز ایسا ہونا چاہیے کہ مخاطب بھڑک کر کوئی انتہائی قدم نہ اٹھا لے۔ اسی لئے متکلم نے اپنے اوپر رکھ کر یوں کہا کہ میں خدا کی پرستش کیوں نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا مگر آخر پر یہ بھی کہہ دیا کہ تم اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہو۔ ظاہر ہے کہ متکلم نے تدبر اور موقع شناسی سے کام لیا اس طرح نصیحت بھی پہنچ گئی اور مخاطب مشتعل بھی نہ ہوا۔ اسی کو کہتے ہیں کہ سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹی۔ بلاغت کلام کی کس قدر عمدہ مثال ہے۔

مخاطبت سے غائب اور غائب سے مخاطبت کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

1 ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ O اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ O (ھود: ع 8)

(اپنے رب سے مغفرت مانگو اور اس کے سامنے توبہ کرو۔ بلا شبہ میرا رب رحم کرنے والا اور محبت کرنیوالا ہے۔)

اس آیت میں خطاب سے تکلم کی طرف التفات کیا گیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی صفات رحمت اور ودود کے بیان کرنے میں بہت زور پیدا ہو گیا ہے۔ متکلم کو اپنے پروردگار کی رحمت پر کس قدر ناز ہے ویسے بھی محبت کا تقاضا یہی ہوتا ہے۔ کہ جب بھی موقع ملے محبوب کو اپنا کہہ کر بات کی جائے۔ تمہارا کہہ کر بات کرنا دل کو ناگوار گزرتا ہے۔ اس لئے متکلم نے مخاطب کو توبہ استغفار کرنے کی ترغیب دینے کے بعد یہ نہیں کہا کہ تمہارا پروردگار رحیم اور ودود ہے محبت بھی محبت کرنے سے ہی سمجھ آتی ہے۔ بقول شاعر

عزت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم
گوش رانیز حدیث تو شنیدن ندہم

(مجھے اپنی آنکھوں سے غیرت آتی ہے اور نہیں چاہتا کہ وہ بھی تیری صورت کو دیکھیں اور کان کو بھی اپنا غیر سمجھتا ہوں اور نہیں چاہتا کہ تیری دلفریب باتیں سنیں)۔

(2) ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ O
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ O (فاتحه: 1,2,3,4)

(تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو سارے جہان کا پالنے والا ہے بہت مہربان نہایت رحم کرنیوالا ہے قیامت کے دن کا مالک ہے اے اللہ!

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔)

اس سورۃ کے شروع میں کنایہ تھا لیکن اِیَّاکَ نَعْبُدُ سے التفات غیب سے خطاب کی طرف کرلیا گیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے جب انسان اپنے رب کا تذکرہ کرتا ہے تو اس کے دل میں اس کی طرف متوجہ ہو کر ہم کلامی کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اسی خواہش متکلم کے کلام کا رخ غیب سے خطاب کی طرف پھیر دیا۔ متکلم نے محبت الٰہی میں سرشار ہو کر کہا اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ اے اللہ! میں تیری ہی دھن میں لگا ہوا ہوں اور تجھ ہی سے مدد کا طلب گار ہوں۔ معانی کی یہ وسعت اسی حسن التفات کی بدولت ہے۔ مزید برآں چونکہ ہر اچھے کام کا اختتام دعائیہ کلمات پر ہوتا ہے اسی لئے کنایہ سے مخاطبت کی طرف رخ موڑا گیا اور اسی سورۃ کے آخر پر انتہائی اہم دعا مانگی گئی کہ اے پروردگار ہمیں سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرما۔ یہی کلام الٰہی کے نزول کا مقصد تھا دیباچہ کتاب یا فاتحۃ الکتاب میں اس کے تذکرے نے چار چاند لگا دیئے۔

(3) ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

حَتّٰی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْکِ وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا

(یہاں تک کہ جب تم بیٹھے کشتیوں میں اور لے چلیں وہ لوگوں کو اچھی ہوا کے ساتھ اور خوش ہو گئے لوگ ساتھ اس کے۔) (یونس: 22)

اس آیت میں مخاطبت کی وجہ سے کُنْتُمْ کا تذکرہ ہے لیکن بعد میں بِهِمْ کی طرف سے رجوع ہو گیا ہے ظاہر کا تقاضا تھا کہ وَجَرَیْنَ بِکُمْ کہا جاتا مگر غائب کا صیغہ استعمال کر کے سلسلہ کلام کا رخ تبدیل کرلیا گیا۔

(4) ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّیَاحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ

ظاہر کا تقاضا تھا کہ غائب کے بعد غائب کا صیغہ ذکر کیا جاتا اَللّٰهُ الَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّیَاحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَساقه اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ ۔مگر ساقه کی جگہ سُقْنٰهُ لاکر عبارت میں جمال پیدا کر دیا گیا۔

تذکرہ دو کا مگر ضمیر واحد کی:

قرآن مجید میں کبھی دو چیزوں کا تذکرہ کر کے کسی خاص غرض سے ضمیر واحد کا استعمال کیا جاتا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ O (التوبہ:34)

(اور جو لوگ سنبھال کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور نہیں خرچ کرتے اس کو اللہ کے راستے میں آپ ان کو خوشخبری سنا دیں دردناک عذاب کی)

اس میں ظاہر کے اعتبار سے وَلَا یُنْفِقُوْنَهُمَا ہونا چاہیے تھا مگر ضمیر واحد نے زور پیدا کر دیا اور معنی میں بھی کوئی خلل نہیں پیدا ہوا کیونکہ زکوٰۃ میں سونے اور چاندی دونوں کا نکالنا ضروری نہیں صرف چاندی بھی دی جا سکتی ہے مزید برآں بنسبت سونے کے چاندی کا دینا طبعاً آسان ہے اس لئے چاندی نہ خرچ کرنا ان کی شدت بخل کی طرف بھی اشارہ ہے اور اگر ضمیر کا مرجع زکوٰۃ ہو پھر بھی کوئی اشکال نہیں۔

(2) ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَیْهَا وَتَرَکُوْکَ قَائِمًا. (الجمعہ:11)

(اور جب دیکھتے ہیں تجارت کو یا کھیل کو متفرق ہو جاتے ہیں اس کی طرف اور چھوڑتے ہیں آپ کو کھڑا)

اس میں اِلَیْهِمَا کی جگہ اِلَیْهَا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ مقصود تجارت ہے نہ کہ لہو ولعب۔

(3) ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ. (التوبہ:62)

(اللہ اور اس کا رسول زیادہ ضروری ہے کہ اس کو راضی کریں)

اس میں یَرْضُوْهُمَا کی بجائے یَرْضُوْهُ کا لفظ لایا گیا ہے اور معنی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ جو اللہ کی رضا ہے اس کے رسول کی رضا بھی وہی ہوگی۔

(4) ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ثُمَّ نُخْرِجُکُمْ طِفْلًا (الحج:۵)

(پھر نکالتا ہے تم کو لڑکا)

اس میں اطفال آنا چاہئے تھا مگر کل واحد کی تاویل کر کے طفل لایا گیا مفہوم یوں ہوا

ثُمَّ تخرج کل واحد منکم طِفْلاً (پھر نکالتا ہے تم میں سے ہر ایک کو لڑکا)

(5) ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ هٰؤُلَاءِ ضَیْفِیْ (الحجر:68)

(تحقیق یہ لوگ میرے مہمان ہیں)

اس میں تقدیر کلام اضیافی ہے کیونکہ یہ حقیقت میں مصدر ہے تمام صیغوں کے لئے آتا ہے مگر چونکہ جمع کے لئے اضیاف ضیوف مستعمل ہے اس لئے ضَیْفِیْ کو

اضافی کے معنی میں لیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ کِتَابٌ مُّبِيْنٌ . يَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلَامِ (المائدہ 15-17)

(تحقیق تمہارے پاس آیا اللہ کی طرف سے نور اور بیان کرنے والی کتاب۔ اللہ ہدایت دیتا ہے اس کے ساتھ سلامتی والے رستوں کی جو پیروی کرے اس کی رضا مندی کی)

ظاہر کا تقاضا تھا کہ يهدی بهما کہا جاتا مگر ضمیر واحد لائی گئی کیونکہ نور سے مراد بھی کتاب ہی ہے اور اگر نور سے مراد آنحضرت ﷺ ہوں تو بھی ضمیر مفرد لانے میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ آپ چلتے پھرتے قرآن تھے۔ آپ ﷺ کی اتباع قرآن کی اتباع تھی۔

حفظ توازن:

قرآن مجید میں کلام کے دوران روانی و بے ساختگی کا بڑا خیال رکھا گیا ہے اس کی خاطر جہاں توازن الفاظ کی ضرورت پڑی وہاں تزبید و تخفیف سے کام لیا گیا ہے

تزبید کی مثالیں:

◎ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا (الاحزاب: 10) اور تم اللہ کے بارے میں مختلف گمان کر رہے ہو) لفظ اصل میں الظنون ہے مگر فاصلے کی رعایت رکھتے ہوئے الف بڑھایا گیا لہٰذا ''الظنونا'' پڑھا جائے گا۔

◎ فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا (الاحزاب: 67) السبيل کے آخر میں الف زائد ہے۔ فاصلہ کی رعایت کے لئے۔

◎ وَ مَا اَدْرٰکَ مَاهِيَهْ (القارعۃ: 10) یائے سکتہ زائد ہے جس طرح سورۃ الحاقۃ کی آیات میں مالیه، سلطانیه، کتابیه، حسابیه میں ہے۔

تخفیف کی مثالیں:

◉ اَلْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ (الرعد: 9) (سب سے بڑا برتر) اصل میں المتعالی ہے

◉ يَوْمَ التَّنَادِ (الغافر: 32) (ایک دوسرے کو پکارنے کا دن) اصل میں التنادی ہے۔

◉ يَوْمَ التَّلَاقِ (الغافر: 15) (ایک دوسرے سے ملاقات کا دن) اصل میں التلاقی ہے۔

◉ وَ الَّيْلِ اِذَا يَسْرِ (الفجر: 4) (اور رات کی قسم جب چلے) اصل میں ہے اذا یسری ان سب میں فاصلہ کی رعایت کے لئے یا کو حذف کیا گیا ہے۔

◉ يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰى (طٰہٰ: 7) (جانتا ہے وہ پوشیدہ کو اور چھپی ہوئی کو) اس میں منه کو حذف کیا گیا ہے اصل میں يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰى منه ہے۔

◉ کَلَّا اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ (القیامۃ: 26) اس میں نفس کو حذف کیا گیا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ فاعل کو بغیر فعل کے لائے ہیں کیونکہ سیاق سے فاعل مفہوم ہوتا ہے اور اگر فاعل ضمیر کو بنائیں تو مرجع سیاق سے مفہوم ہوتا ہے۔

◉ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ (ص: 32)

(یہاں تک کہ سورج چھپ گیا اوٹ میں) اس میں الشمس کو حذف کیا گیا ہے

◉ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (الرحمٰن 26) (جو کوئی ہے زمین پر فنا ہونے والا ہے) اس میں ھا ضمیر مجرور ہے اس کا مرجع الارض ہے جو لفظوں میں مذکور نہیں ہے۔

◉ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا (یوسف 29) (اے یوسف! جانے دیجئے

اس کے ذکر کو) اس میں یا یوسف ہونا چاہئے یا حرف ندا حذف کر دیا گیا ہے

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اگر حفظ توازن سے معنی خراب ہوتے ہیں تو معنی کی جانب کو ترجیح دیتے ہیں۔ جیسے سورۃ نجم کی آخری آیت فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا (پس سجدہ کرو اللہ کو اور عبادت کرو) کے آخر میں قائم توازن کے لئے وَاعْبُدُوْن نہ کہہ دیا گیا کیونکہ اس وقت معنی فاسد ہوتے ہیں۔

تکریر والا مادۃ:

اگر کوئی شخص اپنی گفتگو کے دوران کسی لفظ یا فقرے کو بار بار دہرائے تو عام طور پر سننے والے کو ناگواری ہوتی ہے مگر قرآن مجید میں بعض آیات اور الفاظ کو اس طرح مکرر لایا گیا ہے کہ کلام کے جمال میں اضافہ ہوا ہے اور سننے والے کو قند مکرر کا مزہ نصیب ہوتا ہے۔

◎ ارشاد باری تعالیٰ ہے فَبِاَیِّ آلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلائیں گے) یہ آیت سورۃ رحمٰن میں 35 مرتبہ دہرائی گئی مگر پڑھنے اور سننے والے کو ہر دفعہ نیا لطف عطا کرتی ہے۔

◎ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ (خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے)

یہ آیت سورۃ مرسلات میں 10 مرتبہ آئی ہے مگر ہر دفعہ قاری کے دل میں قیامت کی ہولناکی کو بڑھاتی ہے۔

◎ ارشاد باری تعالیٰ ہے اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی. ثُمَّ اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی (خرابی ہے تیرے لئے پھر خرابی ہے تیرے لئے پھر خرابی ہے)

اس میں ایک ہی فقرے کو دو مرتبہ لاکر کلام کی قوت کو بڑھا دیا گیا ہے۔

باب 3

لطائف قرآنیہ

قرآن مجید لطائف و معارف کا بیش قیمت خزانہ ہے۔ مفسرین حضرات نے اپنی اپنی تفاسیر میں جا بجا ان کی نشاندہی فرمائی ہے۔ بعض اکابرین نے تو مستقل اسی عنوان پر کتابیں بھی لکھی ہیں۔ ذیل میں ان سب کی تلخیص پیش کی جاتی ہے۔

(1) اسمان للکلام اللہ ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو نبی علیہ السلام پر نازل فرمایا اور اس کے دو نام قرآن اور کتاب رکھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ (الاسراء: 9)

(یہ قرآن بتلاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہیں)

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ (البقرہ: 2-1)

(اس کتاب میں کچھ شک نہیں راہ بتلاتی ہے ڈرنے والوں کو)

ایک آیت میں دونوں نام استعمال کئے گئے۔

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ فِیْ کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ (الواقعہ: 78-77)

(بے شک یہ قرآن ہے عزت والا لکھا ہوا ہے ایک پوشیدہ کتاب میں)

فائدہ: ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ کلام اللہ کے دو نام قرآن اور کتاب ہیں۔ دونوں نام اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں کہ اس کلام کی حفاظت دو طریقوں سے ہوگی ایک قرأت کے ذریعے دوسری کتاب کے ذریعے۔ امت مسلمہ میں آج تک انہی دو طریقوں سے حفاظت ہو رہی ہے۔ ایک تو حفظ کے ذریعے سینوں میں محفوظ دوسرا نشر و طباعت کے ذریعے سفینوں میں محفوظ۔ پروردگار عالم نے اپنے کلام کے لئے کتنے خوبصورت نام تجویز کئے جو اسم بامسمی ہیں۔

2 حروف مقطعات:

قرآن مجید کی بعض سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات لائے گئے ہیں۔ ان کے صحیح معانی تو اللہ تعالی اور اس کے محبوب ﷺ کو ہی معلوم ہیں تاہم مفسرین کرام نے چند ایک کی نشاندہی بھی کی ہے۔ مثلاً

◉ الف سے مراد اللہ تعالی، لام سے مراد جبرئیل، اور میم سے مراد حضرت محمد ﷺ، مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالی کا کلام جبرئیل علیہ السلام کی وساطت سے حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے۔

◉ جن سورتوں کے شروع میں الف کا حرف ہے ان کی ابتدائی آیات میں قرآن مجید کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

◉ جن سورتوں کے شروع میں ط کا حرف ہے ان سورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ دیکھنے میں بھی حرف ط کی شکل ایسی ہے جیسے سانپ کنڈلی مار کر بیٹھا ہوتا ہے۔

◉ کفار و مشرکین کو یہ بات سمجھائی گئی کہ کلام اللہ عربی زبان میں نازل ہوا

ہے۔ اس کے الفاظ و کلمات انہی حروف سے بنے ہیں جن حروف سے بنی ہوئی زبان میں تم لوگ گفتگو کرتے ہو۔ اگر تمہیں اس کے کلام اللہ ہونے میں شک ہے تو پھر اس جیسی چند آیات بنا کر دکھا دو۔ سارے انسان اور جن مل کر بھی آج تک قرآن کریم کے اس دعویٰ کا توڑ نہ کر سکے۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے۔

◉ حروف مقطعات کی تعداد بغیر تکرار کے گنی جائے تو چودہ بنتی ہے جب کہ عربی زبان میں حروف الھجاء کی تعداد اٹھائیس ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ اے مشرکین مکہ! ہم نے آدھے حروف کے استعمال سے قرآن کو سجایا ہے بقیہ آدھے حروف کو استعمال کر کے تم ایسا کلام بنا کر دکھاؤ۔

◉ حروف مقطعات کو ایک فقرے کی شکل میں جمع کیا جائے تو وہ فقرہ یوں بنے گا

نص حکیم قاطع له سر

◉ بعض علمائے لغت نے ہمزہ اور الف کو الگ الگ حروف الھجاء کی تعداد انتیس بتائی ہے۔ اگر حروف مقطعات والی سورتوں کی تعداد کو گنا جائے تو وہ بھی انتیس بنتی ہیں۔

◉ ایک حرف مقطع والی سورتوں کی تعداد تین ہے۔

◉ دو حروف مقطعات والی سورتوں کی تعداد نو ہے۔

◉ تین حروف مقطعات والی سورتوں کی تعداد تیرہ ہے۔

◉ چار حروف مقطعات والی سورتوں کی تعداد دو ہے۔

◉ پانچ حروف مقطعات والی سورتوں کی تعداد دو ہے۔

◉ الــم سے شروع ہونے والی سورتیں دو جگہ ترتیب سے آئی ہیں۔ پہلی جگہ

البقرہ، آل عمران۔ دوسری جگہ العنکبوت، الروم، لقمان، السجدہ۔

◉ الر کے حروف والی سورتیں ایک ہی ترتیب سے آئی ہیں۔

یونس، ھود، یوسف، الرعد، ابرھیم، الحجر۔

◉ مجموعہ طواسین یعنی طس اور طسم ایک ہی جگہ ترتیب سے آئی ہیں۔

الشعراء، النمل، القصص۔

◉ حم والی سورتیں (الحوامیم) ایک ہی جگہ ترتیب سے آئی ہیں۔

غافر، فصلت، الشوریٰ، الزخرف، الدخان، الجاثیۃ، الاحقاف

◉ جن سورتوں کے نام حروف مقطعات پر رکھے گئے ہیں وہ چار ہیں۔

طه، یس، ص، ق۔

◉ سورۃ القلم کی ابتداء حرف مقطعہ ن سے شروع ہوئی۔ اس کی شکل دوات کی سی ہے جس سے سیاہی لے کر قلم سے لکھا جاتا ہے۔ عربی زبان میں نون سے مچھلی مراد لی جاتی ہے۔ اور اس سورۃ میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر بھی ہے۔

◉ سورۃ مریم کے حروف مقطعات کھیعص ہیں جن میں سے ک اور ھا صرف اسی جگہ آئے ہیں اور کہیں نہیں آئے۔ حضرت علیؓ اپنی دعا میں یا کھیعص کہہ کر دعا مانگتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ اسمائے الٰہی میں سے ہیں۔

◉ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ حروف مقطعات اسمائے الٰہی کے اجزا ہیں جیسے الر، حم، ن مل کر الرحمن بنتے ہیں۔ یا محب محبوب کے درمیان اشارات ہیں۔ اختصار کی وجہ سے ایک حرف سے اس رمز کی طرف اشارہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بعض عرب کے اشعار سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

لاتحسبی ان نسینا الایجاف . قلت لها قفی فقالت لی قاف

(میں نے محبوبہ سے کہا کہ تم یہ نہ سوچنا کہ ہم اونٹ دوڑانا بھول گئے۔
پس ٹھہر جا اس نے کہا، ٹھہر گئی)

اس شعر میں قاف سے مراد وقف ہے۔

◉ حروف مقطعات کو لانے میں ایک عجیب رمز ہے۔ جس نے عقلوں کو حیران کر دیا ہے۔ قواعد تجوید کی رو سے حروف کی جتنی بھی اقسام ہیں ان میں سے ہر قسم کے نصف حروف کو حروف مقطعات میں لایا گیا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

① کل حروف مہموسہ ہیں یا مجہورہ ہیں۔ مہموسہ کی تعداد دس ہے۔ س، ت، ش، ح، ث، ک، خ، ص، ف، ہ اور ان میں سے پانچ ح، ہ، ص، س، ک حروف مقطعات میں سے ہیں۔ باقی اٹھارہ حروف مجہورہ ہیں ان میں سے نو حروف مقطعات میں سے ہیں جیسے۔ ل، ن، ی، ق، ط، ع، ء، م، ر۔

② کل حروف شدیدہ ہیں یا رخوہ ہیں۔ پس کل آٹھ حروف شدیدہ ہیں۔

ء، ج، د، ت، ط، ب، ق، ک

ان میں سے چار حروف مقطعات میں سے ہیں۔

ء، ق، ط، ک.

باقی بیس حروف رخوہ ہیں ان میں سے دس حروف مقطعات ہیں۔

ح، م، س، ع، ل، ی، ن، ص، ر، ہ

کل حروف مطبقہ ہیں یا منفتحہ ہیں۔ مطبقہ کی تعداد چار ہیں۔

ص، ط، ض، ظ

ان میں سے دو حروف مقطعات ہیں۔ ص، ط

باقی چوبیس حروف منفتحہ ہیں جن میں بارہ عدد حروف مقطعات میں سے ہیں۔

حروف قلقلہ پانچ ہیں ق ، ط ، ب ، ج ، د ۔ان میں دو حروف مقطعات ہیں ط اور ق ۔نصف اقل لینے سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ حروف کم استعمال ہوتے ہیں۔

حروف لین دو ہیں و ، ی ۔ان میں سے ی حرف مقطع ہے ثقل میں بھی کم ہے۔

مزے کی بات یہ ہے کہ حروف مقطعات کو تین جگہ مفرد لایا گیا ہے جیسے ۔ص، ق،ن

اس میں اشارہ ہے کہ حروف مفردہ ، اسم ،فعل اور حرف تینوں جگہ پائے جاتے ہیں۔

◎ اسم جیسے ق،اور ل کہ وقی یقی اور ولی یلی کا امر ہے۔

◎ حرف جیسے بائے جر اور کاف تشبیہ ۔حروف مقطعات دو دومل کر چار طرح آئے ہیں ۔مثلاً طه ، طس ، یس ، حم ۔اس میں اشارہ ہے کہ

◎ حرف میں دو کا مجموعہ بغیر حذف کے ہوتا ہے جیسا کہ بل

◎ فعل میں دو کا مجموعہ بحذف ہوتا ہے جیسا کہ قل

◎ اسم میں دو کا مجموعہ دونوں طرح سے ہوتا ہے بغیر حذف کے جیسا کہ من اور بحذف کے جیسا کہ دم۔

حروف مقطعات میں دو کا مجموعہ نو سورتوں کے شروع میں آتا ہے۔

اس میں اشارہ ہے کہ دو کا مجموعہ اسم ،فعل اور حرف میں فتح ،ضمہ ،کسرہ کے ساتھ پایا جاتا ہے۔

◉ اسم میں اذ ، ذو ، من

◉ فعل میں ، قل ، بع ، خف

◉ حرف میں اِن ، اَن ، مذ

حروف مقطعات میں تین کے مجموعے تیرہ عدد ہیں جیسے الم ، الر ، طسم ، وغیرہ ان کو تیرہ سورتوں کے شروع میں لانے میں اشارہ ہے کہ ثلاثی مجرد کے اوزان تیرہ عدد ہیں جو لغت عرب میں زیادہ مستعمل ہیں جیسے۔

◎ اسم ثلاثی کے دس فلس ، فرس ، کتف ، عضد، حبر ، عنب ، ابل ، قفل ، صرد ، عنق

◎ فعل ماضی کے تین ہیں جیسے نصر ، علم ، شرف

حروف مقطعات میں چار کے مجموعے دو عدد ہیں جیسے المر ، المص ،اور پانچ کے مجموعے بھی دو عدد ہیں جیسے کھیعص ، حمعسق

اس میں اشارہ ہے کہ رباعی اور خماسی کے دو وزن ہیں۔

◎ ایک اصلی جیسے جَعْفَرٌ اور سَفَرُجَلٌ

◎ ایک ملحق جیسے قَرْدَدٌ اور حَجَنْفَلٌ

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حروف مقطعات کو ایک جگہ لانے کی بجائے 29 سورتوں کے شروع میں لایا گیا تا کہ انسانی عقلیں ان کے اسرار ورموز کو جان کر حیران رہ جائیں اور اس بات کو تسلیم کر لیں کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے۔ یہ کسی انسان کی کاوش نہیں ہے۔

3 ترتیب السور المتفتحة بالتسبیح :

قرآن مجید میں تسبیح سے شروع ہونے والی سورتوں کی تعداد سات ہے۔ ان

سورتوں میں خاص بات یہ ہے کہ مادہ التسبیح کے اشتقاقات کو ترتیب سے استعمال کیا گیا ہے۔ وھو ھذا

مصدر، ماضی، فعل مضارع، فعل امر

سبحان ، سبح ، یسبح ، سبح

◉ چنانچہ سورۃ الاسراء لفظ سبحان سے شروع ہوتی ہے۔ سبحٰن الذی اسریٰ

◉ سورۃ الحدید والحشر والصف لفظ سبح سے شروع ہوتی ہے۔ سبح لله ما فی السموت ......

◉ سورۃ الجمعہ والتغابن لفظ یسبح سے شروع ہوتی ہے۔ یسبح لله ما فی السموت ......

◉ سورۃ الاعلیٰ لفظ سبح سے شروع ہوتی ہے سبح اسم ربک الاعلیٰ

اشتقاقات کی یہ ترتیب اعجاز قرآن کی ایک عمدہ مثال ہے۔

4 واؤ الثمانیة فی القرآن :

قرآن مجید کی بعض آیات میں مومنین اور مومنات کی صفات یا ان کی تعداد کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ان تمام آیات میں ساتویں اور آٹھویں جگہ کے درمیان واؤ عطف استعمال ہوا ہے۔ علما نے اس کا نام واؤ الثمانیہ رکھ دیا ہے۔ مثالیں درج ذیل ہیں۔

◉ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (التوبہ: 112)

(وہ توبہ کرنے والے ہیں بندگی کرنے والے، شکر کرنے والے، بے تعلق رہنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، حکم کرنے والے نیک بات کا، حکم کرنے والے اور منع کرنے والے بری بات سے، حفاظت کرنے والے ان حدود کی جو باندھی اللہ نے اور خوشخبری سنا دے ایمان والوں کو)

اس آیت میں ساتویں صفت الآمِرُوْنَ بالمعروف اور آٹھویں صفت الناھون عن المنکر کے درمیان واؤ عطف استعمال ہوا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں مغایرت ہے ایک وقت میں ایک عمل کرنا ہی ممکن ہے یا تو امر بالمعرف یا نھی عن المنکر ایک ہی وقت میں دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

◉ عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا (التحریم: 5)

(اگر نبی ﷺ چھوڑ دے تم سب کو تو اس کا رب بدلے میں دے دے اس کو عورتیں تم سے بہتر حکم بردار یقین رکھنے والیاں نماز میں کھڑی ہونے والیاں توبہ کرنے والیاں بندگی بجالانے والیاں روزے رکھنے والیاں بیاہیاں اور کنواریاں)

اس آیت میں ثیبت اور ابکارا میں واؤ عطف استعمال ہوا ہے۔ یہ دونوں صفات ایک ہی وقت میں کسی عورت میں جمع نہیں ہوسکتیں یا تو ثیبت میں سے ہوگی یا ابکارا میں سے ہوگی۔ یعنی مدخول بہا ہوگی یا غیر مدخول بہا ہوگی۔

◉ سَیَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَ یَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا

بِالْغَيْبِ وَ يَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّ ثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ . قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ (الکھف :22)

(اب یہ کہیں گے کہ وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا اور یہ بھی کہیں گے کہ وہ پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا بدون نشانہ دیکھے پتھر چلانا اور یہ بھی کہیں گے کہ وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا تو کہہ کہ میرا رب خوب جانتا ہے ان کی گنتی، ان کی خبر نہیں رکھتے مگر تھوڑے لوگ)

اس آیت میں بھی ساتویں اور آٹھویں کے درمیان واؤ عطف ہے۔ اس واؤ میں ادبی، اخلاقی اور ذوقی معنی ہیں۔ ایک طرف ابرار، اطہار، نیکوکار اصحاب کہف کا تذکرہ ہے۔ دوسری طرف ان کے کتے کا تذکرہ ہے۔ ایک طرف اشرف المخلوقات ہیں دوسری طرف حیوان ہے اس سے پہلے واؤ کا تذکرہ اس لئے نہ کیا کہ ان کا اندازہ غلط تھا کہ اصحاب کہف کی تعداد چھ تھی۔ لہٰذا اس تعداد کو رجما بالغیب کے الفاظ سے باطل کر دیا۔ سات کے بعد واؤ لایا گیا پھر کتے کا تذکرہ کیا۔

5 لام الاخلاص:

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الحدید :1)

(اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا)

اس آیت میں سبح فعل کو اسم جلالہ اللہ کے ساتھ ملایا گیا ہے حرف جر کے واسطے سے۔ چنانچہ لام جارہ ہے اور یہ حرف جارہ مبنی علی الکسر ہے۔

اس کے بلاغی اور ایمانی اعتبار سے دو معنی ہیں۔ بلاغت کے اعتبار سے تو اس کا معنی تقویت ہے یعنی اس نے فعل کو مفعول کے ساتھ ملانے کے لئے تقویت عطا کی۔ البتہ ایمانی اور ذوقی اعتبار سے اس کا معنی اخلاص ہے۔ پس مومن کو چاہئے کہ صرف اور صرف اللہ ہی کی تسبیح بیان کرے۔ اس کا اجر اللہ تعالیٰ ہی سے چاہئے اسی لئے للہ کے لام کو لام الاخلاص یا لام الاختصاص کا نام دیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کے سوا کسی کی تسبیح کرنے کی اجازت نہیں۔

6 هاء الرفعة (عليه الله):

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ، يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ،فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ، وَ مَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ ،فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا (الفتح: 10)

(تحقیق جو لوگ بیعت کرتے ہیں تجھ سے وہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے، اللہ کا ہاتھ اوپر ان کے ہاتھ کے پھر جو کوئی قول توڑے سو توڑتا ہے اپنے نقصان کو اور جو کوئی پورا کرے اس چیز کو جس پر اقرار کیا اللہ سے تو وہ اس کو دے گا بدلہ بہت بڑا)

عربی قواعد کی رو سے لفظ علیہ کی ھا کو مکسور ہونا چاہئے چونکہ یہ مفرد غائب کی ضمیر ہے اور اس سے پہلے علی حرف جار ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں ھا کا کسرہ ضمہ میں کیسے بدل گیا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب صحابہ کرامؓ نے نبی ﷺ کے مبارک ہاتھوں پر بیعت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

(تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب بیعت کرنے لگے تجھ سے
اس درخت کے نیچے)

نبی ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا اَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرُ اَهْلِ الْاَرْضِ (مسلم شریف)

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو یہ شرف بخشا اور فرمایا یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ
(اللہ کا ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھ کے) اس شرف و رفعت نے ھاء کے کسرہ کو ضمہ میں تبدیل کر دیا چونکہ کسرہ رفعت کے شایاں شان نہیں ہوتا۔ اس بنا پر اس کا نام ھاء الرفعۃ رکھا گیا۔

7 ھاء الخفض (فیہ مھانا):

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا (الفرقان :69-68)

(اور وہ لوگ کہ نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ دوسرے حاکم کو اور نہیں
خون کرتے جان کا جسے حرام کر دیا اللہ نے مگر جہاں چاہے اور بدکاری
نہیں کرتے اور جو کوئی کرے یہ کام وہ جا پڑا گناہ میں، دونا ہوگا اس کو
عذاب قیامت کے دن اور پڑا رہے گا اس میں خوار ہو کر)

علمائے قراءت و تجوید اس بات پر متفق ہیں کہ اس آیت میں فیہ کے لفظ میں ھا کے نیچے یا پڑھا جائے گا۔ گویا ویخلد فیہ مھانا کو ویخلد فیھی مھانا پڑھا جائے گا۔ عام دستور کے مطابق اگر ھا سے پہلے یائے ساکن ہو تو یا پر صرف کسرہ پڑھا جائے گا۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں فیہ کیوں پڑھا۔ آخر اس

کی وجہ کیا ہے؟

مفسرین کرام نے اس نکتہ کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے کہ اگر اس آیت کے سیاق پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عباد الرحمٰن کی صفات بیان کرتے ہوئے بتایا کہ وہ شرک نہیں کرتے۔ کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے۔ اس کے بعد یہ بتایا ہے کہ جو شخص ان کبائر کا مرتکب ہوگا اسے شدید عذاب ہوگا اور وہ جہنم کی آگ میں ذلیل و خوار کر کے ڈالا جائے گا۔ یہاں اعجاز قرآن کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب ایسے ظالموں کو جہنم میں گرانے کا تذکرہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے فیہ کے لفظ میں ھا کو مد سے پڑھنے کا حکم دیا۔ اس سے صوتی اثرات بھی یوں محسوس ہوتے ہیں کہ جیسے کسی کو نہایت گہری جگہ پر ڈالا جا رہا ہے۔ اور اسے اسفل سافلین کے درجے تک پہنچایا جا رہا ہے۔ اس مناسبت سے اس کا نام ھاء الخفض رکھا گیا ہے۔

8 تاء الخفة:

◉ سورۃ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کا تفصیلی واقعہ موجود ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بار بار سوال پوچھنے پر حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا ۔

هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَ بَيْنِكَ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا
(الکھف 87

(اب جدائی ہے میرے اور تیرے درمیان اب جتلائے دیتا ہوں تجھ
کو حقیقت ان باتوں کی جن پر تو صبر نہ کر سکا)

جب کشتی میں سوراخ کرنے، بچے کو قتل کرنے اور یتیموں کی دیوار بنانے کی

تفصیل بتائی تو پھر فرمایا

ذٰلِکَ تَاْوِیْلُ مَالَمْ تَسْطِعْ عَلَیْهِ صَبْرًا (الکھف 86)

(یہ ہے پھیران چیزوں کا جن پر تو صبر نہ کرسکا)

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں لم تستطع کا لفظ استعمال ہوا۔ جب کہ دوسری آیت میں لم تسطع کا لفظ استعمال کیا گیا پس تا کو حذف کرنے میں بھی کوئی لطیفہ ہے۔ پہلی آیت کے فعل میں تا کا ہونا اپنی اصل پر ہے لہٰذا کوئی اشکال نہیں۔ ماضی ''استطاع'' ہے۔ تو مضارع ''تستطیع'' ہے البتہ تسطع میں تا کے حذف ہونے سے تخفیف ہوگئی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے تینوں کام سمجھ سے بالاتر تھے۔ ان کی طبیعت پر بوجھ تھا کہ ایسا کیوں کیا گیا؟ اس لئے حضرت خضر علیہ السلام کے کلام میں لفظ ''تستطع'' اپنی اصل کے مطابق بولا گیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تفصیل معلوم ہوگئی تو ان کا دل مطمئن ہوگیا ان کی طبیعت سے بوجھ اتر گیا۔ لہٰذا دوسری آیت میں تا کو حذف کر کے کلام کو بھی آسان کر دیا گیا۔ یہ کلام کا اعجاز ہے کہ ثقل نفسی کے زوال کے ساتھ ظاہر مناسبت کی وجہ سے تا کو حذف کر کے کلام میں حسن پیدا کر دیا گیا۔

◉ اسی تاء المخفہ کی دوسری مثال سکندر ذوالقرنین کے واقعہ میں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَ مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا (الکھف :98)

(پھر نہ چڑھ سکے اس پر اور نہ کر سکے اس میں سوراخ)

اس آیت میں پہلے اسطاعوا کا لفظ ہے دوسری جگہ استطاعوا کا لفظ

ہے۔ کیونکہ دیوار پر چڑھنا بنسبت سوراخ کرنے کے آسان کام ہے اس لئے پہلے کے لئے تا کو حذف کر کے خفیف لفظ استعمال کیا گیا اور سوراخ کرنے کے لئے تا کے ساتھ ثقیل لفظ اختیار کیا گیا۔

9 الف العزة: العباد:

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا (الفرقان 63)

(اور بندے رحمٰن کے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں)

اس آیت میں مومنین، صالحین کے لئے عباد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں عباد کا لفظ تقریباً دو سو مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ جن میں سے نوے سے زیادہ مرتبہ یہ لفظ مومنین کے لئے استعمال ہوا ہے مگر اس لفظ کی بناوٹ پر غور کیا جائے تو اس کے وسط میں الف موجود ہے۔ یہ حرف الف مومنین کی عزت و سربلندی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ (المنفقون :8)

(اور زور تو اللہ کا ہے اور اس کے رسول ﷺ کا ہے اور ایمان والوں کا ہے)

پس مومنین کو دنیا میں جہاں ظاہری عزت دینے کا وعدہ کیا گیا وہاں ان کے لئے قرآن مجید میں بھی ایسا لفظ استعمال کیا گیا جس میں بلندی ہے۔ اسی لئے اس کا نام الف العزۃ رکھا گیا ہے۔

⑩ یاءُ الذِّلَۃِ . اَلعَبِیْدُ:

قرآن مجید میں عبید کا لفظ پانچ جگہوں پر آیا ہے۔

① ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ وَ اَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدُ (العمران: 182)
(یہ بدلہ اس کا ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجا اور اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر)

② ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ وَ اَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ (الانفال :51)
(یہ بدلہ ہے اس کا جو تم نے آگے بھیجا اپنے ہاتھوں اور اس واسطے اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر)

③ ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ یَدَاکَ وَ اَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ (الحج :10)
(یہ اس وجہ سے جو آگے بھیج چکے تیرے دو ہاتھ اور اس وجہ سے کہ اللہ نہیں ظلم کرتا بندوں پر)

④ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ وَ مَنْ اَسَاءَ فَعَلَیْھَا وَمَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ(فصلت:46)
(جس نے بھلائی کی سو اپنے واسطے اور جس نے برائی کی سو وہ بھی اسی پر اور تیرا رب ایسا نہیں کہ ظلم کرے بندوں پر)

⑤ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ (ق:29)
(بدلتی نہیں بات میرے پاس اور میں ظلم نہیں کرتا بندوں پر)

ان پانچوں آیات میں عبید کا لفظ کفار اور مجرمین کے لئے استعمال ہوا یہ اعجاز قرآن کی کتنی عمدہ دلیل ہے کہ مومنین کے لئے عباد کا لفظ استعمال ہوا جس کے الف میں سر بلندی ہے۔ اور لفظ عباد کو پڑھتے ہوئے بھی یوں محسوس ہوتا ہے جیسے

کوئی بلندی پر جا رہا ہو۔ جب کہ عبید کا لفظ کفار کے لئے استعمال کیا گیا ہے اس کی ی میں پستی ہے اور پڑھتے ہوئے بھی پستی کا تصور بنتا ہے۔ اسی لئے اس کا نام یاء الذلۃ رکھا گیا۔ سبحان اللہ۔

قرآن مجید کے الفاظ کا چناؤ اتنا پیارا ہے کہ ظاہر لفظ سے معنی کی طرف اشارہ مل جاتا ہے۔

⑪ مَیِّتٌ ...... اور ...... مَیْتٌ:

قرآن مجید میں لفظ مَیِّت مفرد کے لئے بارہ مرتبہ استعمال ہوا ہے اور اس کی جمع میتون دو مرتبہ آئی ہے۔ جب کہ لفظ مَیْت پانچ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ دونوں الفاظ کے حروف میں اور حرکات میں فرق کا ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ دونوں قریب المعنی تو ہیں مگر مترادف نہیں ہیں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہے۔ چاہے وہ فرق کتنا ہی لطیف کیوں نہ ہو۔ آیات قرآن میں غور کرنے سے یہ فرق نکھر کر سامنے آ جاتا ہے۔

❂ اَلْمَیِّتُ من فیہ روحہ : مَیِّتٌ کا لفظ اس کے لئے استعمال ہوتا ہے جس میں روح موجود ہو۔ وہ اپنی اجل کا منتظر ہو ابھی ملک الموت روح قبض کرنے کے لئے نہ آیا ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَ اِنَّھُمْ مَیِّتُوْنَ (زمر 30)

(بے شک تو بھی مرتا ہے اور وہ بھی مرتے ہیں)

اس آیت میں نبی ﷺ کو خطاب کیا گیا ہے کہ اے محبوب ﷺ! آپ ﷺ نے بھی انتقال کرنا ہے اور ان کفار نے بھی مرنا ہے گویا ابھی موت کے انتظار

میں ہیں۔

الْمَيْتُ مَنْ خَرَجَتْ رُوْحُهُ : مَیت" کا لفظ اس کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جس پر موت طاری ہو چکی ہو اس کے جسم سے روح نکال لی گئی ہو۔ اس کی مثالیں درج ذیل ہیں۔

1 ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً م بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ (زخرف: 11)

(اور جس نے اتارا آسمان سے پانی ماپ کر، پھر زندہ کیا ہم نے اس سے ایک زمین مردہ کو اسی طرح تم بھی نکالے جاؤ گے)

اس آیت میں میت کا لفظ مردہ زمین کے لئے استعمال ہوا ہے جس کو بارش کے بعد زندگی مل جاتی ہے۔

2 ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ (یس: 33)

(اور ایک نشانی ان کے واسطے زمین مردہ اس کو ہم نے زندہ کر دیا اور نکالا اس میں سے اناج سو اسی میں سے کھاتے ہیں)

اس آیت میں میت کا لفظ مردہ زمین کے لئے استعمال ہوا ہے۔

3 ارشاد باری تعالیٰ ہے

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ (المائدہ: 93)

(حرام ہوا تم پر مردہ جانور اور خون اور گوشت سؤر اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا)

اس آیت میں میتۃ کا لفظ مردہ جانور کے لئے استعمال ہوا ہے۔

4 ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ (الحجرات: 12)

(اور برا نہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو بھلا خوش لگتا ہے تم میں سے کسی کو کہ کھائے گوشت اپنے بھائی کا جو مردہ ہو سو گھن آتا تم کو اس سے)

اس آیت میں میتۃ کا لفظ مردہ انسان کے لئے استعمال ہوا ہے۔ پس جو شخص غیبت کرتا ہے وہ گویا مردہ انسان کا گوشت کھا رہا ہوتا ہے۔

5 ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ (الانعام: 122)

(بھلا ایک شخص جو کہ مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اس کو دی روشنی کہ لئے پھرتا ہے اس کو لوگوں میں)

اس آیت میں یہ لفظ کافر کے لئے استعمال ہوا ہے جس کا دل معنوی اعتبار سے مردہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر مومن زندہ کی مانند ہے اور ہر کافر مردہ کی مانند ہے۔

دلالة حركات الكلمتين على المعنى:

اگر مَیّت کے لفظ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی یاء کے اوپر تشدید ہے یعنی وہ انسان جس میں زندگی ہے وہ مختلف اعمال میں منہمک ہے

حرکت موجود ہے۔ اگر میّتٌ کے لفظ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی یاء ساکنہ غیر متحرک ہے یعنی وہ انسان جس کی روح نکل گئی اور جسم بغیر حرکت کے موجود ہے۔ یہ دونوں معانی ایک شعر سے واضح ہو جاتے ہیں۔

وتسالنی تفسیر میت و میت
فدونک ذا التفسیر ان کنت تعقل
فمن کان ذا روح فذلک میت
وما المیت الامن الی القبر یحمل

12 مصر ...... و ...... مصراً :

قرآن مجید میں مصر کا لفظ چار مرتبہ آیا ہے۔

1 ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ قَالَ الَّذِیْ اشْتَرٰهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ (یوسف :21)

(اور کہا جس شخص نے خرید کیا اس کو مصر سے اپنی عورت کو آبرو سے رکھ اس کو)

اس آیت میں مصر کے حاکم عزیز کا تذکرہ آیا ہے جس نے یوسف علیہ السلام کو خرید لیا۔

2 ارشاد باری تعالیٰ ہے

قَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ (یوسف :99)

(اور کہا داخل ہو مصر میں اللہ نے چاہا تو دل جمعی سے)

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین اور بھائیوں کو شہر میں داخلے کے وقت یہ بات کہی۔

3 ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ نَادٰى فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِهٖ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (زخرف :51)

(اور پکارا فرعون نے اپنی قوم میں بولا اے میری قوم! بھلا کیا میرے ہاتھ میں نہیں حکومت مصر کی اور یہ نہریں چل رہی ہیں میرے محل کے نیچے کیا تم نہیں دیکھتے)

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ فرعون نے اپنی قوم کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کیا باتیں کہیں۔

4 ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ اَوْحَیْنَا اِلٰى مُوْسٰى وَ اَخِیْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا وَّ اجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ قِبْلَةً (یونس: 87)

(اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ علیہ السلام کو اور اس کے بھائی کو کہ مقرر کرو اپنی قوم کے واسطے مصر میں سے گھر اور بناؤ اپنے گھر قبلہ رو)

مندرجہ بالا چاروں آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر کا لفظ خاص معروف جگہ (ملک مصر) کے لئے استعمال ہوا ہے۔

قرآن مجید میں مصراً کا لفظ ایک مرتبہ آیا ہے

5 ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ (البقرہ 21)

(اترو کسی شہر میں تو تم کو ملے جو مانگتے ہو)

اس آیت میں مصراً کا لفظ کسی بھی شہر کے لئے استعمال ہوا ہے اس میں تعمیم

ہے تخصیص نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مصر کا لفظ خاص شہر کے لئے استعمال ہوا ہے جب کہ مصراً لفظ عمومی طور پر ہوا جب کہ مصراً کا لفظ عمومی طور پر کسی بھی شہر کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مصراً کی تنوین نے اس میں عمومیت پیدا کردی اس سے اعجاز قرآن کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک حرکت کے فرق سے لفظ کے استعمال نے معنی میں عجیب حسن پیدا کر دیا ہے۔

13 نکر ...... و ...... منکر:

قرآن مجید میں دو لفظ متقارب استعمال ہوئے ہیں جن کا مادہ اصلیہ ایک ہی ہے۔ منکر، نُکراً امام راغب اصفہانی نے المفردات میں لکھا ہے کہ انکار عرفان کی ضد ہے اور یہ زبان سے انکار کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جب کہ منکر ایسے کام کو کہتے ہیں جو عقل سلیم کے نزدیک قبیح ہو۔ قرآن مجید میں نُکراً کا لفظ تین دفعہ آیا ہے جب کہ منکر کا لفظ سولہ مرتبہ آیا ہے۔

المنکر فی القرآن :

النکر کہتے ہیں اس چیز کو جسے انسان اپنی جہالت کی وجہ سے غلط سمجھے حالانکہ وہ شے حقیقت میں صحیح ہو۔ قرآنی آیات سے اس پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

حَتّٰى إِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهُ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ ط لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا (الكهف :74)

(یہاں تک کہ جب ملے ایک لڑکے سے تو اس کو مار ڈالا موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا تو نے مار ڈالی ایک جان ستھری بغیر عوض کسی جان کے

بے شک تو نے کی ایک چیز نا معقول)

جب حضرت خضر علیہ السلام نے بچے کو قتل کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اسے برا سمجھا اور کہا (لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا) بے شک تو نے کی ایک چیز نا معقول) حالانکہ خضر علیہ السلام اپنے کام میں حق بجانب تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَ رُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّ عَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَ كَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا

(الطلاق :9-8)

(اور کتنی بستیاں نکل چلیں حکم سے اپنے رب کے اور اس کے رسولوں کے پھر ہم نے حساب میں پکڑا ان کو سخت حساب میں اور آفت ڈالی ان پر بن دیکھی آفت پھر چکھی انہوں نے سزا اپنے کام کی اور آخر کو ان کے کام میں ٹوٹا آ گیا)

اس آیت میں عذاب الٰہی کے لئے نکر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ کافر لوگ اسے انتقام اور ظلم سمجھتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ کا عمل صحیح و صواب ہے اور عدل کے عین مطابق ہے پس نکر کا لفظ ایسے کام کے لئے استعمال ہوا ہے جو ظاہر میں خطا نظر آئے مگر درحقیقت وہ کام ٹھیک ہو۔

◎- المنکر فی القرآن : المنکر کا معنی برا کام، حرام کام یعنی قبیح یا فعل شنیع۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا (مجادله:2)

(اور وہ بولتے ہیں ایک ناپسندیدہ بات اور جھوٹی)

اس آیت میں منکر غلط بات کے لئے استعمال ہوا ہے جو جھوٹ ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (آل عمران: 104)

(اور چاہیئے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسی جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا اور منع کرے برائی سے اور وہی پہنچنے والے ہیں اپنی مراد کو)

اس آیت میں منکر کا لفظ ہر غلط اور برے کام کے لئے استعمال ہوا ہے۔

پس حاصل کلام یہ ہوا کہ

◎ -نکر اس عمل کو کہتے ہیں جو اللہ کے میزان میں صحیح ہو اگر چہ لوگ اس کو برا سمجھیں۔

◎ -منکر اس عمل کو کہتے ہیں جو اللہ کے میزان میں غلط ہو خواہ لوگ اسے صحیح سمجھیں

یہ دونوں الفاظ کس قدر خوبصورتی کے ساتھ مختلف معانی کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔

(14) نفد ...... و ...... نفذ :

قرآن مجید میں نفد کے اشتقاقات پانچ مرتبہ استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً

ارشاد باری تعالیٰ ہے

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (النحل:96)

(جو تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے کبھی ختم

نہیں ہوگا)

ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَالَهٗ مِنْ نَّفَادٍ (ص :54)

(یہ ہے روزی ہماری دی ہوئی اس کو نہیں ختم ہونا)

ارشاد باری تعالیٰ ہے

مَا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ (لقمان 27)

(ختم ہوں باتیں اللہ کی)

ارشاد باری تعالیٰ ہے

لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ (الکہف 109)

(تو دریا خرچ ہو جائیں اس سے پہلے کہ پوری ہوں باتیں میرے رب کی)

مندرجہ بالا تمام آیات میں لفظ نفد اور اس کے تمام اشتقاقات کا معنی ایک ہی ہے اور وہ ہے ختم ہو جانا، فنا ہو جانا، کسی چیز کا کچھ بھی باقی نہ بچنا۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (الرحمٰن: 33)

(اے گروہ جنوں اور انسانوں کے اگر ہو سکے کہ نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کے کناروں سے تو نکل بھاگو نہیں نکل سکتے بدون سند کے)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ لفظ نفذ اس وقت استعمال ہوتا ہے کہ جب چیز ایک جگہ سے دوسری جگہ چلی جائے۔ یعنی چیز کا وجود باقی رہے وہ ختم نہ ہو۔ اب لفظ نفد کی بناوٹ پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس د پر نقطہ نہیں ہے جس طرح د

سے نقطہ ختم ہوا اسی طرح چیز ختم ہو جاتی ہے جب کہ لفظ نـفـذ میں آخری حرف پر نقطہ موجود ہے چونکہ یہ حرف کے اوپر ہے لہٰذا نفاذ کا لفظ اسی لئے استعمال ہوتا ہے کہ کوئی چیز چھا جائے اوپر لاگو ہو جائے جیسے انسانوں کی زندگی میں شریعت کا نافذ ہو جانا۔

15 الکره ...... و ...... الکره :

قرآن مجید میں دو متقارب کلمات استعمال ہوئے ہیں جن کے معانی میں لطیف فرق ہے۔

① الـکُـره ...... الـمشـقـة الـمـرغـوبـه یہ کلمہ قرآن مجید میں تین مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

◉ ارشاد باری تعالیٰ ہے

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَ هُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَ عَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ عَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ: 216)

(حکم ہوا تم پر لڑائی کا اور وہ بری لگتی ہے تم کو، اور شاید تم کو بری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تمہارے لئے اور شاید تمہیں اچھی لگے ایک چیز اور وہ بری ہو تمہارے لئے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے)

اس آیت میں قتال کے لئے کُـره کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ قتال انسانی طبائع پر بوجھ ہوتا ہے مگر مومنین اس کے ثمرات کو دیکھ کر اسے مرغوب بھی جانتے ہیں۔ گویا یہ مشقت مرغوبہ ہوئی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

◉ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا وَ حَمْلُهٗ

وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (الاحقاف: 10)

(اور ہم نے حکم دیا ہے انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی کا۔ پیٹ میں رکھا اس کو اس کی ماں نے تکلیف سے اور جنا اس کو تکلیف سے اور حمل میں رہنا اس کا اور دودھ چھوڑنا تیس مہینے میں ہے)

اس آیت میں عورت کے حمل اور وضع حمل کے لئے کُـره کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کے دل میں ماں بننے کا اس قدر شوق رکھا ہوتا ہے کہ شادی کے چند سال بعد تک وہ حاملہ نہ ہو تو پریشان حال ہوتی ہے۔ کبھی ڈاکٹر کے کلینک پر چکر لگاتی ہے، کبھی نیک لوگوں سے دعائیں کرواتی ہے، راتوں کو تہجد پڑھ کر اور تلاوت قرآن کر کے دعائیں مانگتی ہے کہ میری گود ہری ہو جائے۔ جب حاملہ ہوتی ہے تو نو ماہ بیماری کی حالت میں گزرتے ہیں کبھی ابکائیاں آتی ہیں، کبھی کھانے کی مہک اچھی نہیں لگتی، غرض ایام حمل بیماری کی سی حالت میں گزرتے ہیں۔ پھر وضع حمل کی تکلیف اتنی شدید ہوتی ہے کہ عورت موت وحیات کی کشمکش میں ہوتی ہے اس کے بعد کم از کم دو سال دودھ پلانے کی مدت میں ماں کو چوبیس گھنٹے بچے کی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے۔ اس ساری کیفیت کو مشقت مرغوبہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

② الکَره ...... الاکراہ ۔ یہ کلمہ قرآن مجید میں پانچ جگہ پر استعمال ہوا ہے۔

◎ رشاد باری تعالیٰ ہے

فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ (حم السجدہ: 11)

(پھر کہا اس کو اور زمین کو آؤ دونوں خوشی سے یا زور سے۔ وہ بولے ہم آئے خوشی سے)

◎ ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ . وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ (آل عمران :83)

(کیا کچھ اور دین ڈھونڈتے ہیں سوائے دین اللہ کے اور اسی کے حکم میں ہے جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے خوشی سے یا زور سے اور اسی طرف پھر جائیں گے)

◎ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ(الرعد :10)

(اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی ہے آسمان و زمین میں خوشی اور زور سے ۔اور ان کی پرچھائیاں صبح اور شام)

ان آیات میں غور کرنے پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کَرہ کا لفظ جبر و اکراہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔گویا کرنے والے کا اپنا دل نہیں بھی چاہتا پھر بھی بامر مجبوری اس کو کوئی کام کرنا پڑتا ہے ۔اس لئے کہ کام لینے والا قادر مطلق ہے اس کی حکم عدولی کی گنجائش نہیں ۔ایک آیت میں کفار کے انفاق اموال کے متعلق بات کرتے ہوئے یہی لفظ استعمال کیا گیا ہے ۔

◎ ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ(التوبة:53)

(خرچ کرو تم خوشی سے یا ناخوشی سے ہرگز قبول نہ ہوگا تم سے ۔تحقیق تم

نافرمان لوگ ہو)

کفار کا مال خرچ کرنا چونکہ طیب نفس سے نہیں ہوتا بلکہ بوجھل دل کے ساتھ ہوتا ہے ۔لہٰذا پروردگار عالم نے ان کی قلبی حالت کا پول بھی کھول دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ ان کا یہ عمل قبول بھی نہیں ہوگا ۔

◎ ایک یہ بات بھی مشاہدے میں آئی ہے کہ وراثت کا مال تقسیم کرتے ہوئے مرد لوگ اپنی عورتوں کو حصہ دیتے ہوئے بوجھ محسوس کرتے ہیں ۔اکثر لوگ تو عورتوں کے مطالبے کے باوجود بھی انہیں کچھ نہیں دیتے اور کسی نہ کسی حیلے سے ان کی زبان بند کروا دیتے ہیں ۔قرآن مجید میں ان کے لئے بھی یہی الفاظ استعمال کیا گیا ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا (النساء 19)

(اے ایمان والو! حلال نہیں تم کو کہ میراث میں لے لو عورتوں کو زبردستی)

چنانچہ جو کام بوجھ ہو مگر دل کی خوشی سے کیا جائے تو اس کے لئے کُرہ کا لفظ استعمال کیا گیا ۔جو کام خود بھی بوجھ ہو اور دل کے بوجھ سے کیا جائے اس کے لئے اکراہ کا لفظ استعمال کیا گیا ۔قرآن مجید کا اعجاز دیکھئے کہ جو لفظ جہاں موزوں تھا وہیں استعمال کیا ۔

16 اَلْجِسْمُ ...... وَ ...... الْجَسَدُ:

یہ دونوں الفاظ بھی کلمتان متقاربان میں سے ہیں اور دونوں کا اطلاق بدن انسانی پر ہوتا ہے ۔تاہم دونوں میں نہایت لطیف فرق ہے ۔

① اَلْجِسْمُ ...... اَلْبَدَنُ فِيْهِ حَيَاةٌ :

قرآن مجید میں جسم کا لفظ دو مرتبہ استعمال ہوا ہے ۔

◎ ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ(البقرة:247)

(بے شک اللہ نے پسند فرمایا اس کو تم پر اور زیادہ فراخی دی اس کو علم اور جسم میں)

اس آیت میں طالوت علیہ السلام کے بارے میں بتایا گیا کہ ان کا علم کثیر تھا اور بدن جسیم تھا۔

◎ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَ اِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ (المنافقون: 4)

(اور جب تو دیکھے ان کو تو اچھے لگیں تجھ کو ان ڈیل اور اگر بات کہیں تو سنے تو ان کی بات، وہ ایسے ہیں جیسے کہ لکڑی لگادی دیوار سے)

اس آیت میں منافقین کی حالت بیان کی گئی ہے۔ دونوں آیات پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جسم کا لفظ انسانی بدن کے لئے اس وقت استعمال ہوتا ہے جب اس میں روح موجود ہو۔

(2) اَلْجَسَدُ ...... اَلْبَدَنُ جُثَّةٌ هَامِدَةٌ

یہ لفظ قرآن مجید میں چار مرتبہ وارد ہوا ہے۔

▣ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ(الاعراف: 148)

(اور بنالیا موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اس کے پیچھے اپنے زیورات

سے بچھڑا ایک بدن اس میں گائے کی آواز تھی۔)

اس آیت میں جسد کا لفظ جسم بے جان کے لئے استعمال ہوا ہے۔

▣ ارشاد باری تعالیٰ ہے

فاخرج لهم عجلا جسدا له خوار فقالوا هذا الهكم و اله موسىٰ فنسى (طه :88)

(پھر بنا نکالا ان کے واسطے ایک بچھڑا ایک دھڑ جس میں آواز گائے کی۔ پھر کہنے لگے یہ معبود ہے تمہارا اور معبود ہے موسیٰ علیہ السلام کا سو وہ بھول گیا)

اس میں بھی بت کے لئے جسد کا لفظ استعمال ہوا جو کہ جسم بے جان تھا۔

▣ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ لَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَ اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ (ص 34)

(اور ہم نے جانچا سلیمان علیہ السلام کو اور ڈال دیا اس کے تخت پر ایک دھڑ پھر وہ رجوع ہوا)

اس آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے ارادہ کیا کہ میرے بہت سارے بیٹے ہوں جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کریں۔ چنانچہ انہوں نے ایک رات میں اپنی ستر بیویوں سے ہمبستری کی جن میں سے فقط ایک کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور وہ بھی مردہ۔ وجہ یہ تھی کہ وہ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے تھے۔ چنانچہ اس آیت میں بھی جسد کا لفظ جسم بے روح کے لئے استعمال ہوا ہے۔

▣ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ مَا کَانُوْا خَالِدِیْنَ (الانبیاء :8)

(اور نہیں بنائے تھے ہم نے ان کے ایسے بدن کہ وہ کھانا نہ کھائے اور نہ تھے وہ ہمیشہ رہ جانے والے)

اس آیت میں بھی بتایا گیا ہے کہ انبیائے کرام علیہ السلام کے جسم مبارک کو بے روح نہیں بنایا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں جسم کا لفظ اس بدن کے لئے استعمال ہوا جس میں روح اور زندگی ہو جب کہ جسد کا لفظ ایسے جسم کے لئے استعمال ہوا جس میں روح نہ ہو۔

17 اَلذَّنُوْبُ ...... وَ ...... الذُّنُوْبُ:

قرآن مجید میں یہ دو کلمتان متقاربان بھی استعمال ہوئے ہیں۔ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے المفردات میں لکھا ہے کہ ذنب سے مراد جانور کی دم اور ذنوب سے مراد لمبی دم والا گھوڑا ہے۔ قرآن مجید میں ذنوب ایک آیت میں دو مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَاِنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحَابِهِمْ فَلَا یَسْتَعْجِلُوْنِ (الذاریات :59)

(سو ان گنہگاروں کا بھی ڈول بھر چکا ہے جیسے ڈول بھرا ان کے ساتھیوں کا اب مجھ سے جلدی نہ کریں)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ظالمین کو بعد میں آنے والے تمام ظالمین کے ظلم سے بھی عذاب ہوگا چونکہ پچھلوں نے پہلوں کی اقتدا کی۔ پہلے والے برا نمونہ بنے پیچھے والے اسی راستے پر چلے پس ظالمین اپنے پیچھے دم چھوڑ جاتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی پکڑ ہوگی۔

اَلذُّنُوْبُ کا لفظ ذنب کی جمع ہے یہ قرآن مجید میں چھبیس مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

کَدَابِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (الانفال 52)

(جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو ان سے پہلے تھے کہ منکر ہوئے اللہ کی باتوں سے سو پکڑا ان کو اللہ نے ان کے گناہوں سے بے شک اللہ زور آور ہے سخت عذاب کرنے والا)

مندرجہ بالا دونوں آیات پر غور و حوض کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ذَنوب کا لفظ ذَنب یعنی دم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے پس گنہگار انسان اشیاء کی دم پکڑتا ہے۔ مردود کام کرتا ہے۔ جب کہ ذنوب کا لفظ ذنب کی جمع کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

18 شری ...... و ...... اشتری:

قرآن مجید میں یہ دو متقارب الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان کی اصل ایک ہے مگر معانی میں تضاد ہے۔

1 شری معنی باغ: اور شری کا لفظ قرآن مجید میں چار مرتبہ آیا ہے اور ہر جگہ اس کا مطلب بیچنا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ شَرَوْهُ بِثَمَنٍ ۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ وَّ کَانُوْا فِیْهِ مِنَ الزَّاهِدِیْنَ (یوسف :20)

(اور بیچ آئے اس کو بھائی ناقص قیمت کو گنتی کی چونیاں اور ہو رہے تھے اس سے بیزار)

یعنی رقم لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کو بیچا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ (البقرہ: 207)

(اور لوگوں میں ایک شخص وہ ہے کہ بیچتا ہے اپنی جان کو اللہ کی رضا جوئی میں)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بدلے اپنی جان کو بیچ دیا)

ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَلْيُقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ (النساء :74)

(سو چاہئے کہ لڑے اللہ کی راہ میں وہ لوگ جو بیچتے ہیں دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے)

پس مومنین آخرت کے بدلے میں دنیا کی زندگی کا سودا کرتے ہیں۔

② اشتری بمعنی اخذ: لفظ اشتری اور اس کے اشتقاقات قرآن مجید میں اکیس مرتبہ استعمال ہوئے ہیں اور تمام مقامات پر اس کا معنی خریدنا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ قَالَ الَّذِىْ اشْتَرٰهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖ اَكْرِمِىْ مَثْوٰهُ (یوسف :21)

(اور کہا جس شخص نے خرید کیا اس کو مصر سے اپنی عورت کو آبرو سے رکھ اس کو)

یعنی جس شخص نے یوسف علیہ السلام کو بیچنے والوں سے خریدا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

(التوبة:111)

(اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہے)

اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کے جان و مال کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا (آلعمرن :188)

(جنہوں نے مول لیا کفر کو ایمان کے بدلے وہ نہ بگاڑیں گے اللہ کا کچھ)

مندرجہ بالا تمام آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآنی اسلوب میں شری کا لفظ بیچنے کے لئے استعمال ہوا ہے جب کہ اشتری کا لفظ خریدنے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ چاہے رقم کے بدلے چیز خریدے یا کسی اور چیز کے بدلے میں خریدے۔

⑲ العمی ...... و ...... العمه:

قرآن مجید میں العمی کا لفظ بینائی سے محروم لوگوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔

۞ العمی هُوَ فُقْدَانُ الْبَصَرِ

ارشاد باری تعالیٰ ہے

عَبَسَ وَ تَوَلّٰى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى (عبس: 1-2)

(تیوری چڑھائی اور منہ موڑا اس بات سے کہ آیا اس کے پاس اندھا)

یہ آیت ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ کے متعلق ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَ لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ (الحج:46)

(بے شک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں پر اندھے ہو جاتے ہیں دل جو سینوں میں ہیں)

۞ العمه هو عمى القلب :قرآن مجید میں العمه کا لفظ صیغہ فعل مضارع یعمهون کے طور پر سات مرتبہ استعمال ہوا ہے۔اس کا معنی دل کا اندھا ہونا ہے اس لئے جہاں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے وہاں پر طغیان کا تذکرہ ضرور کیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے

۞ وَ يَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (البقرہ 10)

(اور ترقی دیتا ہے ان کو ان کی سرکشی میں، حالت یہ ہے کہ وہ عقل کے اندھے ہیں)

جب انسان کسی کام میں متردد اور متحیر ہوتا ہے تو اس کے دل، آنکھ اور دماغ پر پردہ سا آ جاتا ہے۔اسی کو ضلالت و گمراہی کہا گیا ہے۔حاصل کلام یہ ہوا کہ اعمیٰ کا لفظ بصارت کے فقدان کے لئے بولا جاتا ہے جب کہ عمه کا لفظ بصیرت کے فقدان کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

20 اِستَأنس ...... و ...... اِستَأْذَنَ :

یہ دونوں الفاظ فعل ہیں دونوں کے معانی میں ایک لطیف فرق ہے۔

استأنس ...... الانس النفسی لفظ آنس فعل ماضی ہے انیاس سے۔ ایک ہی موقع پر قرآن مجید میں تین جگہ استعمال ہوا ہے۔جب انہوں نے جبل طور پر آگ دیکھی تو فرمایا

قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْا اِنِّىْ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّىْ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ (القصص :29)

(کہا اپنے گھر والوں کو ٹھہرو میں نے دیکھی ہے ایک آگ شاید لے آؤں تمہارے پاس وہاں کی کچھ خبر یا انگارہ آگ کا تاکہ تم تاپو)

یہاں پر اس لفظ کے معنی الانس ، النفس الشعوری کے ہیں انہیں معانی میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واجب کر دیا ہے کہ جب دوسروں کے گھروں میں داخل ہوں تو الاستئناس حاصل ہو۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰى اَهْلِهَا (النور 27)

(اے ایمان والو! مت جایا کرو کسی گھر میں اپنے گھروں کے سوا جب تک بول چال نہ کر لو اور سلام کر لو ان گھر والوں پر)

21 استأذن ...... الاذن المادی :

ارشاد باری تعالیٰ ہے

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (النور: 58)

(اے ایمان والو! اجازت لے کر آئیں تم سے جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا

وَ اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور: 59)

(جب پہنچیں لڑکے تم میں سے عقل کی حد کو تو ان کو ویسی ہی اجازت لینی چاہئے جیسے لیتے رہے ہیں ان سے اگلے)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اِستِئناس اور اِستِئذان کے الفاظ گھر میں استعمال ہوتے ہیں دونوں کے ہمزہ سین اور تا سے طلب کے معانی نکلتے ہیں

دونوں میں دو وجہ سے فرق ہے۔

① اِستِئناس کا مرحلہ اِستِئذان سے پہلے آتا ہے۔ جب ایک مسلمان اپنے گھر سے دوسرے کے گھر میں جانے کے لئے نکلتا ہے تو اسے اپنے دل میں سوچنا چاہیئے کہ یہ جانے کا مناسب وقت ہے بھی یا نہیں۔ فجر سے پہلے، دوپہر کے وقت، اور عشاء کے بعد جانے سے منع فرمایا گیا ہے۔ ایسا تو نہیں اس وقت کا جانا میزبان کے لئے مشکل کا سبب بن جائے۔ جب دل گواہی دے کہ اس وقت جانا میزبان کے لئے خوشی کا سبب ہوگا تو اس کو اِستِئناس کہتے ہیں پھر جب گھر کے دروازے پر پہنچے تو اجازت طلب کریں اس کو اِستِئذان کہتے ہیں۔

② اِستِئناس مرحلہ غیر لوگوں کے لئے زیادہ پیش آتا ہے کہ وقت کی مناسبت کا خیال رکھیں جب کہ استیئذان کا مرحلہ گھر کے افراد یا غلام نوکر وغیرہ کے لئے زیادہ پیش آتا ہے اگر مندرجہ بالا آیات کو غور سے پڑھا جائے تو معانی واضح ہو جاتے ہیں۔ پس اِستِئناس دور سے آنے والے کے لئے ہے جب کہ استیئذان دروازے پر کھڑے ہونے کے لئے ہے یا گھر کے افراد ایک دوسرے کے کمرے میں جانا چاہیں تو بھی استیئذان کی ضرورت ہے۔ سبحان اللہ دو الفاظ کو کتنے باریک اور لطیف فرق کیساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ جو اعجاز قرآن کی عمدہ دلیل ہے۔

21 الفتية ...... و ...... الفتيان :

یہ دونوں الفاظ فتی کی جمع ہیں تاہم قرآنی اسلوب کے لحاظ سے دونوں میں فرق ہے۔

الفتية : الشباب المومنون : قرآن مجید میں فتی کا لفظ حضرت یوشع بن

نون کے لئے استعمال ہوا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ (الکھف:60)

(اور جب کہا موسیٰ علیہ السلام اپنے جوان کو میں نہ ہٹوں گا جب تک پہنچ نہ جاؤں جہاں ملتے ہیں دو دریا)

دوسری جگہ یہی لفظ حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے استعمال ہوا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا (یوسف :30)

(اور کہنے لگیں عورتیں اس شہر میں عزیز کی عورت خواہش کرتی ہے اپنے غلام سے اس کے جی کو فریفتہ ہوگیا اس کا دل اس کی محبت میں)

لفظ فتية قرآن مجید میں دو دفعہ اصحاب کہف کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً (الکھف:13)

(جب جا بیٹھے وہ جوان پہاڑ کے کھوہ میں پھر بولے اے رب! دے ہم کو اپنے پاس سے رحمت)

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى (الکھف:13)

(ہم سنا دے تجھ کو ان کا حال تحقیق وہ کئی جوان ہیں کہ یقین لائے اپنے

رب پر اور زیادہ دی ہم نے ان کو سوجھ)

مندرجہ بالا تینوں آیات سے ظاہر ہے کہ الفتیہ کا لفظ نوجوان مومنین کے لئے استعمال ہوا ہے۔

الفتیان ...... الخدم :

یہ لفظ قرآن مجید میں خادم کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ قَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ (یوسف :62)

(اور کہہ دیا اپنے خدمت گاروں کو رکھ دو ان کی پونجی ان کے اسباب میں)

حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جیل میں بادشاہ کے دو ملازم تھے ان کے متعلق ارشاد ہے۔ و دخل معه السجن فتيان (یوسف 36) (اور داخل ہوئے قید خانہ میں اس کے ساتھ دو جوان)

معلوم ہوا الفتیہ اور الفتیان کے دو الفاظ مختلف معانی میں استعمال ہوئے ہیں۔

22 الأمن ...... و ...... الامنة :

دونوں الفاظ متقارب ہیں مگر معانی میں نہایت لطیف فرق ہے۔

◎ اَلْاَمْنُ : الطُّمَاْنِيْنَةُ مَعَ زَوَالِ سَبَبِ الْخَوْفِ

قرآن مجید میں الامن کا لفظ پانچ مرتبہ استعمال ہوا ہے تمام جگہوں پر اس کے معانی ہیں کہ خوف زائل ہوا اور امن نصیب ہوا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ . الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْا

اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ (الانعام: 81)

(اب دونوں فرقوں میں کون مستحق ہے دل جمعی کا بولو اگر تم سمجھ رکھتے ہو، جو لوگ یقین لے آئے اور نہیں ملا دیا انہوں نے اپنے یقین میں کوئی نقصان انہی کے واسطے ہے دل جمعی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (النور :55)

(وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں انہوں نے نیک کام البتہ پیچھے حاکم کر دے گا ان کو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو اور جما دے گا ان کے لئے دین ان کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن)

اس آیت میں واضح کر دیا گیا ہے کہ خوف کو امن سے تبدیل کر دیا جائے گا۔

◎ اَلْاَمَنَةُ : اَلطَّمَانِيَةُ مَعَ وُجُوْدِ سَبَبِ الْخَوْفِ :

یہ لفظ قرآن مجید میں دو مرتبہ استعمال ہوا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اسباب کے خوف کے موجود ہونے کے باوجود دل میں امن و اطمینان عطا کر دینا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَ يُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَ لِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ يُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ (الانفال :11)

(جس وقت کہ ڈال دی اس نے تم پر اونگھ اپنی طرف سے تسکین کے واسطے اور اتارا تم پر آسمان سے پانی کہ اس سے تم کو پاک کرے اور دور کردے تم سے شیطان کی نجاست اور مضبوط کردے تمہارے دلوں کو اور جمادے اس سے تمہارے قدم)

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ م بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ (آل عمران: 154)

(پھر تم پر اتارا تنگی کے بعد امن کو جو اونگھ تھی کہ ڈھانک لیا اس اونگھ نے بعضوں کو تم میں سے)

پس غزوہ بدر اور احد میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کے دل میں امن و اطمینان کی کیفیت ڈال دی تھی اگرچہ کفار سامنے موجود تھے۔ گویا سبب زائل نہیں ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ الامن اور الامنۃ کے دونوں الفاظ کے معانی میں بہت باریک فرق ہے۔

23 اَلسِّلْمُ ...... وَ السَّلْمُ ...... وَ السَّلَمُ :

تینوں الفاظ اپنے حروف میں ایک جیسے ہیں مگر معانی میں فرق ہے۔

1 السلم ...... الاسلام

ارشاد باری تعالیٰ ہے

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَافَّةً (بقرہ: 208)

(اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے)

پس السلم کا لفظ اسلام کے معانی میں استعمال ہوا ہے۔

2 اَلسَّلْمُ ...... اَلْمَيْلُ لِلْاِسْتِسْلَامِ :

یہ لفظ قرآن مجید میں ایک ہی سیاق میں دو مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (الانفال: 61)

(اگر وہ جھکیں صلح کی طرف تو بھی جھک اسی طرف اور بھروسہ کر اللہ پر)

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْا اِلَى السَّلْمِ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ وَ لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ (محمد: 35)

(سو تم سستی نہ دکھاؤ اور نہ بلاؤ صلح کی طرف اور تم ہی رہو گے غالب اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور نہ نقصان دے گا تم کو تمہارے کاموں میں)

دونوں آیات میں اس کے معنی استسلام اور خضوع کے ہیں۔

3 السلم ...... الاستسلام الذلیل :

قرآن مجید میں یہ لفظ پانچ مرتبہ کفار کے استسلام کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَ اَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا (النساء: 90)

(سو اگر یکسو رہیں وہ تم سے پھر نہ لڑیں اور پیش کریں تم پر صلح تو اللہ نے نہیں دی تم کو ان پر راہ)

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَ يُلْقُوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ (النساء: 91)

(پھر اگر وہ تم سے یکسو نہ رہیں اور نہ پیش کریں تم پر صلح)

ایک جگہ پر ارشاد فرمایا

وَ اَلْقَوْا اِلَی اللّٰہِ یَوْمَئِذِ نِ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ

(النحل:87)

(اور آ پڑیں اللہ کے آگے اس دن عاجز ہو کر اور بھول جائیں جو جھوٹ باندھتے تھے)

معلوم ہوا کہ السِلْم کا لفظ اسلام کے معنی میں استعمال ہوا ہے السَّلْم کا لفظ قتال وحرب کے ترک کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اور السَّلَم کا لفظ کفار کی ذلت کے لئے استعمال ہوا ہے۔

24 الریح ...... و ...... الریاح:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ہوا کی آٹھ قسمیں ہوتی ہیں جن میں سے چار رحمت ہیں اور چار عذاب ہیں۔ وہ ہوائیں جو رحمت ہیں ان کے نام مبشرات، مرسلات، ذاریات، ناشرات ہیں۔ جو ہوائیں عذاب ہیں ان میں سے دو صر صر اور عقیم زمین پر چلتی ہیں جبکہ عاصف اور قاصف سمندر میں چلتی ہیں۔ قرآن مجید نے اس فرق کو بڑی آسانی کے ساتھ اس طرح سمیٹا ہے کہ ریح کا لفظ عذاب کے لئے ریاح کا لفظ رحمت کے لئے استعمال کیا۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں

1. وَ فِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْھِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ (الذاریات: 41)
(اور قوم عاد میں نشانی ہے جب ہم نے ان پر ہوا بھیجی خیر سے خالی)

2. اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحًا صَرْ صَرًا (القمر: 19)
(ہم نے ان پر تند ہوا بھیجی)

3. وَھُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًام بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِہٖ (الاعراف: 57)
(وہ ہے جو لاتا ہے ہوائیں خوشخبری دینے کو اپنی رحمت (بارش) سے پہلے)

4. وَمِنْ اٰیٰتِہٖ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرٰتٍ (الروم: 46)
(اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ لاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانے والی)

25 مطر ...... و ...... امطار:

قرآن مجید میں مطر اور امطار کا لفظ ہمیشہ عذاب کیلئے استعمال ہوا ہے چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

1. وَاَمْطَرْنَا عَلَیْھِمْ مَّطَرًا فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ (الشعراء: 173)
(اور ہم نے ان پر مینہ برسایا تو کتنا برا ہے مینہ ڈرائے ہوؤں کا)

2. وَ لَقَدْ اَتَوْا عَلَی الْقَرْیَۃِ الَّتِیْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ (الفرقان: 40)
(اور یہ لوگ ہو آتے ہیں اس بستی پر جس پر برسایا گیا برا مینہ)

3. ھٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا بَلْ ھُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِہٖ رِیْحٌ فِیْھَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ
(الاحقاف: 24)

(یہ بادل ہم پر مینہ برسائے گا بلکہ یہ وہ ہے جس کو تم نے جلدی مانگا ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے)

مطر کے بالمقابل غیث کا لفظ ہے غیث اس بارش کو کہتے ہیں جو ضرورت کے وقت نازل ہو جیسے

وَھُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَہٗ (الشوری: 28)

(وہی ہے جو اتارتا ہے بارش بعد اس کے کہ لوگ ناامید ہو چکے اور پھیلاتا ہے اپنی رحمت)

26 تذکیر و تانیث کے نکات:

عرب حضرات اپنی گفتگو میں بعض الفاظ کے معانی کو سامنے رکھتے ہوئے تذکیر و تانیث کے ظاہر قواعد کو نظر انداز کر دیتے ہیں مثلا ثلاثۃ انفس کہنا۔ حالانکہ نفس مؤنث ہے قیاس کا تقاضا ہے ثلاث انفس کہیں مگر یہاں متکلم کی مراد انسان ہے اس لئے ثلاثۃ رجال کی طرح مذکر کا صیغہ استعمال کیا۔ قرآن مجید میں اسکی کئی مثالیں ملتی ہیں۔

1 وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ○ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا (الفرقان : 11)

(ہم نے تیار کی ہے آگ اس کے واسطے جو جھٹلاتا ہے قیامت کو۔ جب دور کی جگہ سے ان کو دیکھے گی تو سنیں گے اس کا جھنجھلانا اور چلانا)

سعیر مذکر ہے مگر اس کے معنی النار کو سامنے رکھا گیا اور رأت مؤنث کا صیغہ لایا گیا۔

2 وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا (ق: 11) (اور ہم نے اس کے ساتھ ایک مردہ شہر زندہ کیا) ظاہراً یہاں میتۃ آنا چاہیے تھا کیونکہ بلدۃ مؤنث ہے مگر اس کو مکان پر محمول کر کے مذکر کا صیغہ استعمال ہوا۔

3 اَلسَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ۔ ظاہراً السماء مؤنث ہے مگر صیغہ مذکر کا اس لئے استعمال کیا گیا کہ اس کو سقف یعنی چھت پر محمول کیا یا اس لئے کہ یہاں اسم فاعل نسبت کیلئے ہے۔

4 السبیل: قرآن مجید میں اس لفظ کو مذکر و مؤنث دونوں طرح لایا گیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا (الاعراف: 146)

(اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو راستہ نہیں بناتے)

اس میں سبیل کو مذکر لایا گیا دوسری جگہ فرمایا۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (یوسف : 108)

(کہہ دیجئے یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ ہے)

اس آیت میں سبیل کو مؤنث لایا گیا ہے۔

5 الطاغوت: ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ

(النساء: 60)

(چاہتے ہیں کہ مقدمہ لے جائیں شیطان کی طرف حالانکہ انہیں حکم دیا گیا کہ اس کو نہ مانیں)

اس میں مذکر صیغہ ہے۔ جبکہ دوسری آیت میں یہی لفظ مؤنث کے صیغے میں استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى

(الزمر : 17)

(اور جو لوگ بچے شیطان سے کہ عبادت کریں اس کی اور رجوع کیا انہوں نے اللہ کی طرف ان کیلئے خوشخبری ہے)

27 کنایہ کے بارے میں:

بعض اوقات متکلم کو ایسی بات کرنی پڑتی ہے کہ اگر صاف الفاظ میں بیان کر

دی جائے تو اسکا ذکر قبیح سمجھا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ایسے مواقع پر کنایہ میں بات کی جاتی ہے تا کہ الفاظ کا حسن واضح ہو اور مقصد بھی پورا ہو جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

◉ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ (النساء : 21)

(اور تحقیق پہنچ چکے تم میں سے بعض بعض تک)

◉ فَلَمَّا تَغَشّٰهَا (الاعراف : 189) پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانپ لیا)

اس میں جماع کی طرف اشارہ ہے مگر بات کا انداز کتنا مہذب ہے۔ یورپ میں اس وقت بے حیائی اپنے عروج پر ہے وہاں مرد وعورت کا کھڑے ہو کر جماع کرنا معمول کی بات ہے مگر قرآن مجید نے ڈھانپنے کا لفظ استعمال کر کے ایسی صورتحال کی طرف اشارہ کر دیا کہ جس میں آسانی بھی ہے اور فقط ایک چادر کے استعمال سے مرد وعورت خلوت کے لمحات میں بھی اپنے آپ کو گرد و پیش سے پردے میں رکھ سکتے ہیں۔

◉ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ (البقرة: 223)

(آؤ اپنی کھیتی میں جیسے چاہو)۔ میاں بیوی کے ملاپ کیلئے کتنا اچھا انداز بیان ہے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ میاں بیوی کے ملاپ کا مقصد فقط لطف اندوز ہونا ہی نہیں بلکہ اولاد صالحہ کے حصول کی نیت کرنا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ کھیتی فصل کاشت کرنے کے بعد کاٹی بھی جاتی ہے۔

◉ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ (النساء: 43)

(یا چھوا تم نے عورتوں کو) مقصد یہ ہے کہ تم میں سے کوئی عورت سے ہمبستری کرے۔ پوشیدہ باتوں کو اشارے کنائے میں بیان کرنا مہذب اور

شائستہ انسانوں کا طریقہ ہوتا ہے۔ مزید برآں سننے والے کی طبیعت میں بھی ہیجان پیدا نہیں ہوتا۔ اسکی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ اگر کسی شخص کا والد آ رہا ہو اور اس شخص کو بتایا جائے کہ آپ کے والد گرامی آ رہے ہیں تو وہ خوش ہوگا اور اگر یہ کہہ دیا جائے کہ تمہاری ماں کا یار آ رہا ہے تو وہی شخص غصے میں آ کر مرنے مارنے کیلئے تیار ہو جائے گا۔ قرآن مجید کا اعجاز دیکھئے کہ مسئلہ بھی واضح کر دیا اور گفتگو کا سلیقہ بھی سمجھا دیا۔

◉ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ (فصلت :21)

(اور کہیں گے وہ اپنی کھالوں سے)

◉ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (البقرة : 187)

(وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو)

میاں بیوی کے تعلق کو اس سے بہتر الفاظ میں بیان کرنا ممکن ہی نہیں، اتنی خوبصورت بات کہی گئی کہ جس کا جواب ہی نہیں، لباس سے تشبیہ دینے میں دو حکمتیں نظر آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ لباس انسان کے تمام عیوب کو چھپاتا ہے اور اسکی شخصیت کو وقار بخشتا ہے اسی طرح میاں بیوی کے عیوب بھی ایک دوسرے کی وجہ سے چھپتے ہیں اور معاشرے میں انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ انسان کے جسم کے سب سے زیادہ قریب اس کا لباس ہوتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ایسا قرب کسی دوسرے کو نہیں مل سکتا۔ جو میاں بیوی کو آپس میں نصیب ہوتا ہے۔

پھر دیکھئے مرد و زن کے تعلقات کیلئے مختلف کنایات کو استعمال کیا مگر جب اس سے نفرت دلانی تھی تو ایسا صریح انداز استعمال کیا کہ جس کو سن کر طبیعت سلیمہ

اس سے تنفر ہو جائے فرمایا۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل: 32)

(اور نہ جاؤ قریب زنا کے بے شک وہ بے حیائی ہے اور برا ہے راستہ)

دوسری جگہ فرمایا۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ . (النور: 2)

(زنا کار عورت اور زنا کار مرد کو مارو تم ہر ایک کو سو درے اور نہ پکڑے تم کو ان کے ساتھ شفقت اللہ کے دین کے معاملے میں)

28 صوتی اثرات:

قرآن مجید میں ایک انتہائی حیران کن خوبی یہ ہے کہ بات کرتے ہوئے ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں کہ ان کی آواز سے ہی معانی کا اندازہ ہو جاتا ہے چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ . (التوبہ: 38)

(اے ایمان! والو تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا جاتا ہے کوچ کرو اللہ کی راہ میں گرے جاتے ہو زمین میں)

اس آیت میں اثاقلتم الی الارض کے الفاظ پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی چیز زمین کے ساتھ چپکی جا رہی ہو یا ڈھیر ہو رہی ہو۔

② ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا . (الطور: 13)

(جس دن دھکیلا جائے گا ان کو دوزخ کی طرف دھکے دے دے کر)

اس آیت کو پڑھتے ہوئے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ کسی مجرم کو دھکے مار مار کے جہنم میں ڈالا جا رہا ہے۔

③ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ . (الانفال: 6)

(گویا کہ ہانکے جاتے ہیں موت کی طرف) اس آیت کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کسی کو گھسیٹ کر موت کے منہ میں ڈالا جا رہا ہو۔

29 ربط آیات:

امام فخر الدین رازیؒ نے تفسیر کبیر میں ربط آیات پر بہت اچھا کام کیا ہے فرماتے ہیں کہ

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ

(الحجر: 50,49)

(خبر دے میرے بندوں کو کہ میں ہی ہوں بخشنے والا مہربان اور میرا عذاب ہی ہے عذاب دردناک) اس کے بعد

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ . (الحجر: 51)

کا تذکرہ ہے اس میں انا الغفور الرحیم کا مظاہرہ ہے جبکہ اس کے بعد لوط علیہ السلام کی قوم کا تذکرہ ہے اس میں ان عذابی ھو العذاب الالیم کا مظاہرہ ہے وہ فرشتے حضرت ابراہیمؑ کے پاس رحمت بن کر آئے اور بیٹے کی خوشخبری دے گئے۔ پھر حضرت لوطؑ کے پاس گئے تو قوم پر خدا کا عذاب لائے۔ مختلف تفاسیر میں ربط آیات کے تحت مفسرین نے عجیب وغریب معارف بیان

کئے ہیں یہاں بطور نمونے کے ایک آیت پر اکتفا کیا گیا ہے۔

باب 4

فصاحت وبلاغت

فصاحت وبلاغت کی تشریح:

فصاحت کا لفظی معنی ظاہر ہونا یا روشن ہو جانا ہے چنانچہ بچہ بولنے لگے تو اہل عرب کہتے ہیں ''افصح الصبی فی منطقه'' (بچہ بولنے لگا یعنی بچے سے کلام ظاہر ہوا) اسی طرح صبح کی روشنی پھیل جائے تو کہتے ہیں'' افصح الصبح '' (صبح روشن ہوگئی)۔ اہل علم کی اصطلاح میں فصیح ایسے کلام کو کہتے ہیں جس میں الفاظ سادہ، مانوس اور دلپسند ہوں۔ فصاحت کا تعلق ہر لفظ اور ہر فقرے سے ہوتا ہے لہٰذا دونوں کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

الفاظ کی فصاحت:

علمائے کرام نے اپنے متواتر تجربات کی بنا پر جس کلام کو مرغوب طبع پایا اس کے اسباب پر غور وخوض کر کے چند اصول مقرر کر دیئے کہ جس کلام میں یہ اصول زیادہ پائے جائیں گے وہ کلام اپنے محاسن کی وجہ سے بلند پایہ ہوگا۔ اگر ان خوبیوں کو نظر انداز کیا جائیگا تو کلام کی شان وشوکت جاتی رہے گی۔ چنانچہ الفاظ

کی فصاحت کے اصول درج ذیل ہیں۔

① اس کے حروف باہم متنافر نہ ہوں یعنی ثقیل نہ ہوں۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک لفظ کے حروف ہم جنس یا ہم مخرج ہوتے ہیں۔ اس سے لفظ کی ادائیگی میں مشکل پیش آتی ہے مثلاً ''ھُعْخُع''

② لفظ غیر مانوس نہ ہو۔ یعنی کم استعمال ہوتا ہو یا استعمال ہوتا ہی نہ ہو۔ یا جن معنوں میں استعمال کیا گیا ہے وہ عام نہ ہو جیسے ''اِفْرَنْقِعُوْا''

③ خلاف قیاس نہ ہو یعنی اصول و قواعد سے گرا ہوا نہ ہو مثلاً لفظ ''اجل'' ہمیشہ بحالت ادغام بولا جاتا ہے مگر ابی نعیم نے اپنے ایک شعر میں اجل کی بجائے اجلل کہا ہے جو کہ غیر فصیح ہے۔

④ ناخوشگوار نہ ہو یعنی سننے سے طبیعت میں کراہت پیدا نہ ہو۔ جیسے جِرِشّی

فقرات کی فصاحت:

فقرات میں فصاحت کے اصول درج ذیل ہیں

① جملہ کے الفاظ باہم متنافر نہ ہوں۔ مثلاً بعض الفاظ جدا جدا فصیح ہوتے ہیں مگر ان کی ترکیب غیر فصیح ہوتی ہے جیسے لیس قرب قبر حرب قبر (قبر حرب کے قریب کوئی قبر نہیں)

② الفاظ کی ترکیب قواعد نحویہ کے خلاف نہ ہو مثلاً ضرب غلامہ زیدا میں اضمار قبل الذکر قواعد نحویہ کے خلاف ہے۔

③ تعقید نہ ہو یعنی مفہوم کو سمجھنے میں دقت نہ ہو

④ الفاظ کی کثرت تکرار نہ ہو۔

⑤ بہت سی اضافتیں مسلسل کلام میں نہ ہوں جیسے ابن بابک کا شعر ہے

حمامة جرعا حومة الجندل اسجعی

فانت بمرای من سعادو مسمع

(اے حومۃ الجندل کی پتھریلی زمین کی کبوتری گانا گا کیونکہ تو ایسی جگہ ہے جہاں سے سعاد تجھے دیکھتی اور تیری آواز سنتی ہے)

قرآن مجید کی فصاحت:

مندرجہ بالا نکات کی روشنی میں ہم قرآن مجید کی فصاحت کا بخوبی اندازہ لگا لیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ O اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ O اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ O صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ O غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ O

ان آیات میں کوئی لفظ ثقیل، غیر مستعمل اور غیر مانوس نہیں کوئی جوڑ بے ڈھنگا نہیں کثرت اضافات سے خالی ہے۔ کوئی تکرار بے معنی نہیں۔ کوئی لفظ یا فقرہ نحوی و صرفی قاعدے سے گرا ہوا نہیں۔ الفاظ سے معانی کے سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔ فقرات پر تاثیر اور دل پسند ہیں۔ گویا پوری سورت فصاحت قرآن کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

بلاغت کی تعریف وتشریح:

بلاغت کے لفظی معنی پہنچنے کے ہیں چنانچہ جب کوئی اپنی مراد کو پہنچ جائے تو کہتے ہیں کہ بلغ فلان مرادہ (وہ شخص اپنی مراد کو پہنچ گیا) اہل عرب کہتے ہیں بلغ الرکاب المدینة (سوار شہر کے اندر پہنچ گئے) بلاغت کلام کا مطلب

ہے کہ جو کلام کانوں میں رس گھولے اور دل کو متاثر کرے۔ اکبر الہ آبادی نے فصاحت و بلاغت کو بڑی سادگی سے ایک شعر کے ذریعے سمجھا دیا ہے۔

سمجھ میں صاف آ جائے فصاحت اس کو کہتے ہیں
اثر ہو سننے والے پر بلاغت اس کو کہتے ہیں

یہ بات ذہن نشین رہے کہ جب بھی کوئی بات موقع محل کے مناسب ہوگی اس میں بلاغت ہوگی۔ سورۃ فاتحہ کی مثال پر غور کیجئے دنیا کی کوئی کتاب تعارفی خطبے سے خالی نہیں ہوتی پس سورۃ فاتحہ تمہیدی خطبے کی مانند ہے۔ اس لئے اس کا نام بھی فاتحہ ہے پھر ہر کام کی ابتدا حمد و ثناء سے ہونا شعائر اسلام میں سے ہے اسی طرح ہر کام کے اختتام پر دعا کا ہونا بھی مستحسن ہوتا ہے۔ سورہ فاتحہ میں یہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ سورۃ کی ابتدائی آیات پر غور کیجئے آغاز کتاب سے کتاب کے مطالعہ کے فوائد بتا دینا حسن کلام کی دلیل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں پہلے تو ذلک کا لفظ استعمال کیا گیا۔ اس مقام پر اشارہ بعید لانے میں حکمت یہ ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جس کا تذکرہ تورات و انجیل میں کر دیا گیا تھا پھر لا ریب فیہ کے الفاظ سے سمجھا دیا گیا کہ اس کتاب سے فائدہ اٹھانے کی شرط یہ ہے کہ دل میں شک نہ ہو۔ ھدی للمتقین کے الفاظ سے وضاحت کر دی کہ کون لوگ اس کتاب سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ آغاز کتاب میں ہی بلاغت کی شان نمایاں ہے اور یہی حال تمام قرآن مجید کا ہے۔

مقام و حال کی مناسبت:

بلاغت کلام کی سب سے بڑی نشانی موقع و حال کی مناسبت ہے۔ قرآن مجید کی ایک آیت پر غور کرنے سے عجیب معارف کھلتے ہیں۔

پہلی مثال:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں کہا " قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ O

[یہ میرا عصا ہے جس سے میں ٹیک لگاتا ہوں اس سے بکریوں کیلئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے بڑے فائدے ہیں]

یہاں بادی النظر میں یوں محسوس ہوتا ہے کہ سوال کے جواب کیلئے ھی عصای کہنا کافی تھا پھر سلسلہ کلام کو کیوں طول دیا گیا؟ حکمت اس کی یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو پروردگار عالم سے ہم کلامی کا شرف نصیب ہوا لہٰذا مقتضائے حال یہی تھا کہ لذت کلامی کیلئے جواب تفصیل سے دیا جاتا۔ مگر اس علیم و خبیر ذات کے سامنے طول کلامی کا حد مناسب سے بڑھنا بھی بے ادبی میں داخل تھا لہٰذا "ولی فیھا مآرب اخری" کہہ کر بات کو سمیٹ دیا گیا۔ اس کے برخلاف جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے سوال کیا کہ فمن ربکما یا موسی [اے موسیٰ! آپ بتائیں کہ آپ دونوں کا رب کون ہے؟]

آپ نے جواب میں فرمایا

رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ O (طه 24)

[ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر رہنمائی بخشی]

یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دشمن خدا کو ایسا مختصر اور جامع جواب دیا کہ آگے بات کی گنجائش ہی نہ رہی۔ حالانکہ فرعون کے سوال کا انداز بتاتا ہے کہ وہ تفصیلی جواب سننا چاہتا تھا۔ اسی لئے اس نے صفات باری تعالیٰ کے متعلق

پوچھا تھا۔ حضرت موسیٰ جانتے تھے کہ فرعون کو اللہ تعالیٰ کی پہچان ہے مگر تکبر اور غرور نفس کی وجہ سے انکاری ہے لہٰذا آپ نے اس جاہل و کافر کے ساتھ طویل گفتگو کی کراہت کو سامنے رکھ کر مختصر جواب دیا۔ حسن کلام کا اندازہ لگائیے کہ ایسا شافی جواب دیا جس میں ذات و صفات کا کوئی پہلو نظر انداز نہ ہوا۔ مقصد کلام یہ تھا کہ قادر مطلق نے بغیر کسی محرک سابق کے محض اپنی قدرت سے مخلوق کو پیدا کیا اور مقررہ نظام کے مطابق زندگی گزارنے کی ہدایت کی۔ اتنے مختصر الفاظ میں اتنے طویل مضمون کو سمیٹ دینا بلاغت قرآن کی لاجواب مثال ہے۔ علمائے بلاغت نے لکھا ہے۔ ''فَحَقُّ الْكَلَامِ اَنْ يَّكُوْنَ بِقَدْرِ الْحَاجَةِ لَا زَائِدًا وَنَاقِصًا عَنْهَا'' (جواہر البلاغہ ص ۲۸)

[کلام کی بقدر حاجت ہونا ضروری ہے نہ تو ضرورت سے کم ہونا چاہیے نہ زیادہ]

دوسری مثال:

سوال پوچھنے والوں کی تین قسمیں ہوتی ہیں

(1) سب سے پہلی قسم یہ ہے کہ سائل خالی الذہن ہو ایسی صورت کو ابتدائی کہتے ہیں اور ایسے سائل کو بڑی تحمل مزاجی سے بات سمجھا دی جاتی ہے۔ اس کی مثال سورۃ الاخلاص میں ہے کہ مشرکین کے سوال پر آپ اپنے رب کا وصف اور حسب ونسب بیان کیجئے۔ قرآن مجید نے جواب دیا

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ O اَللّٰهُ الصَّمَدُ O لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ O وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ O (الاخلاص)

(آپ فرما دیجئے کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ اس کی اولاد

نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

اس سورت میں کوئی لفظ تاکید کا نہیں فقط بات سمجھا دی گئی ہے۔

(2) دوسری قسم یہ کہ مسائل متردد ہو۔ ایسی صورت کو طلبی کہتے ہیں۔ جیسے اہل کتاب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت میں متردد تھے۔ اس صورت حال میں جواب زوردار ہونا چاہیے تا کہ شک زائل ہو جائے۔ قرآن مجید نے جواب دیا

"اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ" (عنکبوت: ع:5)

(ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اس کی اطاعت کرتے ہیں)

(3) تیسری قسم یہ ہے کہ سائل جان بوجھ کر حقیقت سے انکاری ہو اپنی ضد پر ڈٹا ہوا ہو۔ ایسی صورت حال میں کھری کھری بات سنا دینا ہی بلاغت کلام کی دلیل ہوتی ہے۔ چنانچہ جب ابن کعب اور بحری بن عمرو جیسے مشرکین مکہ نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ کے نزدیک اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے ہی نہیں تو قرآن مجید نے جواب دیا۔

"قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ O" (الانعام: 19)

(آپ کہہ دیجئے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں)

اس کلام موکد کے ذریعے ایسا منہ توڑ جواب دیا کہ سائل کو آگے بات کرنے کی جرأت ہی نہ ہو سکے۔ یہ بلاغت قرآن کی زندہ جاوید مثال ہے جس پر اہل علم و ادب کی عقلیں حیران ہیں۔

تیسری مثال:

جب حضرت شمعونؑ اور یحییٰ علیہ السلام پہلی دفعہ انطاکیہ تشریف لے گئے تو

انہیں پیغام حق اس طرح پہنچایا'' اِنَّـآ اِلَيْكُمْ مُرْسَلُوْنَ '' (یٰسٓ ع 2) (بے شک ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں)۔ جب کفار نے دوسری مرتبہ تکذیب کی تو تیسری دفعہ کے جواب نے تاکید کا حق ادا کر دیا فرمایا'' رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّا اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ'' (اللہ جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں)۔ اس آیت میں چار تاکیدیں اکٹھی کر کے دلوں میں دھاک بٹھا دی۔

بلاغت کی اقسام:

قاضی ابوبکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض علمائے ادب نے بلاغت کی دس قسمیں بتائی ہیں۔

(1) ایجاز (2) تشبیہ (3) استعارہ (4) تلاؤم (5) فواصل (6) تجانس (7) تصریف (8) تضمین (9) مبالغہ (10) حسن البیان

(اعجاز القرآن مع الاتقان ج 2 ص 202)

① ایجاز:

اہل بلاغت کے نزدیک اظہار خیال کے تین طریقے ہیں۔ مساوات، ایجاز اور اطناب۔ اگر کلام ایسی عبارت میں پیش کیا جائے کہ نہ کم ہو نہ زیادہ بس بقدر ضرورت ہو تو اسے مساوات کہتے ہیں، اگر طویل مضمون کو مختصر الفاظ میں بیان کیا جائے تو اسے ایجاز کہتے ہیں، اگر مضمون کو نہایت مفصل طریقے سے بیان کیا جائے تو اسے اطناب کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں مساوات کی مثال درج ذیل آیت ہے۔

"وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ."

(جو نیکیاں تم اپنے نفس کیلئے جمع کرو گے اسے اللہ کے پاس پاؤ گے)

اس بیان میں الفاظ نہایت جچے تلے ہیں نہ کم ہیں نہ زیادہ بلکہ پورے پورے ہیں۔ جبکہ دوسری جگہ اسی مضمون کو تین الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لکم ما کسبتم (البقرہ:۱۶) جو نیک کام تم نے کمائے وہ تمہیں مل جائیں گے) یہ ایجاز کی بہترین مثال ہے۔

اطناب کی دو مثالیں بیان کی جاتی ہیں حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے بڑھاپے کا تذکرہ درج ذیل الفاظ میں کیا۔

"قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا"

(اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں بوسیدہ ہوگئیں اور بڑھاپے کی وجہ سے سر سفید ہوگیا)

یہاں اطناب کو اختیار کرنے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ حضرت زکریا علیہ السلام اپنی عاجزی اور لاچاری کا اظہار کرتے ہوئے اپنی دیرینہ تمنا کو پورا کروانا چاہتے تھے۔ لہٰذا بارگاہ الٰہی میں فریاد پیش کرنے کا حق ادا کر دیا۔ قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

"رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ"

(نوح ع:2)

(اے اللہ! میری مغفرت کر اور میرے والدین کی مغفرت کر اور جو مسلمان میرے گھر میں داخل ہوا اور تمام ایمان والے مرد اور عورتوں کی مغفرت فرما)

یہاں خاص کے بعد عام کا تذکرہ کرنے سے اطناب کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے

کیونکہ مدعائے متکلم دعا کرنا تھا اور سب جانتے ہیں کہ دعا محل اطناب ہوا کرتی ہے۔

ایجاز کی قسمیں:

ایجاز کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ عبارت میں سے کچھ حذف نہ کیا گیا ہو بلکہ کلام فی نفسہ نہایت مختصر اور معنی کے لحاظ سے وسیع اور مکمل ہو جیسے آیت کریمہ ہے

" خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ. (اعراف:۱۹۹)

(چشم پوشی کرو۔ نیکیوں کی تعلیم دو اور جاہلوں سے کنارہ کشی کرو) سبحان اللہ تین چھوٹے چھوٹے جملوں میں اخلاقیات کا نچوڑ پیش کر کے اہل علم کے دلوں کو موہ لیا گیا۔ دنیا میں تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں نیکوکار، خطاکار اور گنہگار۔ اس آیت میں تینوں اقسام کے انسانوں سے حسن معاملت کا درس دیا گیا ہے۔ بتلایا گیا کہ جو لوگ نیکوکار ہوں ان کی عیب جوئی میں نہ پڑو۔ سفید چادر پر چھوٹا سا دھبہ نمایاں ہو جاتا ہے لہٰذا دوربین لے کر دیکھو گے تو ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خامی نظر آ جائے گی۔ آخر گلشن کا کاروبار بھی انہی نیک لوگوں نے چلانا ہے جب پروردگار عالم ان کے استغفار پر ان کی کوتاہیوں کو معاف کر دیتا ہے تو تمہیں بھی ان کی خطا و سہو سے چشم پوشی کر لینی چاہیے اور ان کیلئے دعائیں کرنی چاہئیں۔ جو لوگ خطاکار ہوں ان کو محبت و پیار سے سمجھانا چاہیے تاکہ اصلاح ہو سکے اور جو لوگ جاہل ہوں کہ گناہ بھی اعلانیہ کریں اور سمجھانے سے نہ سمجھیں ان سے ایک طرف رہنا ہی اعلیٰ اخلاق کی دلیل ہے۔ جاہلوں سے الجھنا عقلمندوں کا کام نہیں ہوتا۔ ان آیات کے ایجاز پر انسان قربان جائے کہ کتنے مختصر الفاظ میں کتنے وسیع مضمون کو سمیٹ دیا۔ ایجاز کی دوسری قسم یہ ہے کہ عبادت میں کوئی

حرف یا کلمہ یا کچھ کلمے حذف کر دیئے گئے ہوں اور مدعائے کلام میں بھی نقص واقع نہ ہو۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ" (الحج:78)

(اللہ کے راستے میں جہاد کرو) یہاں پر فی سبیل اللہ کی بجائے فی اللہ کا لفظ استعمال کر کے بات پہنچا دی۔

"اِتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ" (آل عمران :31)

(میری پیروی کرو تو اللہ کے محبوب ہو جاؤ گے)

اس آیت میں تقدیر کلام یوں تھی کہ" اِتَّبِعُوْنِيْ (فان تتبعونی) یحببکم اللہ"، مگر جملہ شرط کو محذوف کر دیا گیا۔ قرآن مجید سے ایجاز کی چند اور مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

" اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ O يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا "

(یوسف:45 - 46)

(میں اس خواب کی تعبیر تمہیں بتلاؤں گا ذرا مجھے جانے دو۔ اے یوسفؑ! سچے ہمیں بتلایئے)

اس میں تقدیر کلام یوں تھی کہ میں اس خواب کی تعبیر تمہیں بتلاؤں گا ذرا مجھے جانے دو (میں یوسفؑ سے ابھی پوچھ کے آتا ہوں۔ انہوں نے کہا جاؤ۔ وہ یوسفؑ کے پاس آیا اور ان سے کہنے لگا) اے یوسفؑ! سچے ہمیں بتا (اس خواب کی تعبیر) ایک فقرے میں اتنی بڑی عبارت کے حذف کے باوجود مقصد سمجھا دینا یہ قرآن مجید ہی کی شان ہے۔

"اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ" (یونس:23)

(تمہاری شرارتوں کا وبال بالآخر تم پر ہی پڑے گا)

اگر چند روز کی شرارتوں سے دنیا کا کچھ نفع حاصل کر بھی لیا تو کیا ہوا آخر خدا کے پاس جا کر سب اعمال نظر آجائیں گے اور اپنے کئے کی پوری سزا ملے گی۔

وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّءُ اِلَّا بِاَهْلِه (فاطر 42)

(اور نہ گھیرے گی بری تدبیر مگر اپنے ہی آدمیوں کو)

کفار نے باوجود جاننے کے اسلام کو مٹانے کیلئے طرح طرح کی تدبیریں کیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کا داؤ ان پر الٹا پڑے گا۔ چند روز تدبیریں کر کے خوش ہوں گے کہ ہم نے اسلام کا نقصان کیا مگر بالآخر پتہ چل جائے گا کہ واقع میں نقصان اپنی جان کا ہوگا۔ دنیا میں بچ گئے تو آخر تمہیں خسارے کا مشاہدہ یقینی ہے۔

"يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ"(المنافقون:4)

(ہر چیخ کو اپنے ہی خلاف سمجھتے ہیں۔ وہ دشمن ہیں ان سے بچو)

یعنی بزدل اور ڈرپوک اتنے تھے کہ ذرا کہیں شور وغل ہو تو دل دہل جائے سمجھیں کہ ہم پر کوئی بلا آئی ہے سنگین جرموں اور بے ایمانیوں کی وجہ سے خوف ان کے دل میں ہر وقت لگا رہتا ہے کہ دیکھئے کہ ہماری دغابازیوں کا پردہ چاک تو نہیں ہوگیا یا ہماری حرکات کی پاداش میں کوئی افتاد تو پڑنے والی نہیں۔ مگر یہی پکے بے ایمان اسلام کے دشمن ہیں۔ ان سے بچنا ضروری ہے۔

(2) تشبیہ:

جب ایک چیز کو دوسری چیز سے مشابہت دے کر بیان کیا جاتا ہے تو اسے تشبیہ کہتے ہیں۔ تشبیہ وتمثیل کے بیان کر دینے سے بہت سی مخفی باتیں کھل جاتی ہیں

اور مدعا کو سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ حسن کلام کی بڑی دلیل یہی ہوتی ہے کہ تھوڑے الفاظ میں زیادہ مفہوم واضح کر دیا جائے اور یہ چیز تشبیہ میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ مثلاً کسی خوبصورت انسان کے چہرے کی رنگت ولطافت کو بیان کرنا مقصود ہو تو اتنا ضرور کہنا پڑے گا کہ اس کی رنگت سفید ہے، کہیں کہیں سرخی جھلکتی ہے۔ لیکن اتنا کہہ دینے سے مقصد پورا نہیں ہوتا۔ اگر چہرے کا لفظ استعمال کئے بغیر کسی سے پوچھا جائے کہ وہ کونسی چیز ہے جس کی رنگت سفید ہے، کہیں کہیں سرخی جھلکتی ہے تو مخاطب کے ذہن میں لکڑی کے ڈبے کا خیال آئے گا جسے کسی تجربہ کار رنگساز نے سفید رنگ کیا ہو اور کہیں کہیں سرخی مائل بنا دیا ہو۔ لیکن اگر اتنا کہہ دیا جائے کہ اس کا چہرہ گلاب کی مانند ہے معاً چہرے کی خوبصورتی کا تصور بھی ذہن میں آجائے گا اور چہرے کی دل فریبی اور خوشنمائی و لطافت بھی سمجھ میں آجائے گی۔ شاعر حضرات اسی لئے تشبیہ کا سہارا لیتے ہیں بقول میر تقی میر

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

تشبیہ میں چار چیزیں پائی جاتی ہیں۔

(1) مشبہ: جس کو تشبیہ دی جائے

(2) مشبہ بہ: جس سے تشبیہ دی جائے

(3) وجہ تشبیہ: جس بات میں تشبیہ دی جائے

(4) اداۃ تشبیہ: وہ کلمات جو تشبیہ پر دال ہوں

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خلقه منی تراب ثم قال له کن
فیکون. (آل عمران: ۵۹)

(اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی مانند ہے ان کو مٹی سے بنا کر
کہا کہ زندہ ہو جا اور وہ ہو گئے)

اس آیت میں عیسیٰ علیہ السلام مشبہ۔ آدم علیہ السلام مشبہ بہ۔ کاف ادات تشبیہ اور ماں باپ کے بغیر پیدا ہونا وجہ تشبیہ ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دے کر الوہیت عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے کی دھجیاں اڑا دی گئی ہیں۔ نصاریٰ کے نزدیک جو چیز عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی کی دلیل تھی صرف ایک تشبیہ سے وہ دلیل باطل ہو گئی۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ وجہ تشبیہ میں مشبہ بہ عموماً زیادہ کامل ہوتا ہے چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام بغیر ماں کے پیدا ہوئے اس اعتبار سے ان میں شان الوہیت زیادہ تھی۔ حالانکہ متفقہ طور پر ان کو خدا نہیں تسلیم کیا جاتا اگر مشبہ بہ کو خدا تسلیم نہیں کیا جاتا تو پھر مشبہ کو کیسے خدا کہہ سکتے ہیں۔ جو صفت میں مشبہ بہ سے کم درجہ پر ہیں۔ غور کریں کہ تشبیہ نے بات سمجھنا کتنا آسان کر دیا۔ تشبیہ سے متعلق چند مثالیں قرآن مجید سے پیش کی جاتی ہیں۔

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ کَسَرَابٍ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰٓی اِذَا جَآءَهٗ
لَمْ یَجِدْهُ شَیْئًا (النور: 39)

(اور جو لوگ کافر ہوئے ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے ریت جنگل
میں۔ پیاسا اس کو پانی سمجھتا ہے پھر جب اس کے پاس آتا ہے اس کو
کچھ نہیں پاتا)

کافر دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اپنے عقیدوں کے مطابق کچھ اچھے کام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد یہ اعمال کام آئیں گے۔ حالانکہ کوئی عمل بظاہر اچھا بھی ہو تو کفر کی وجہ سے مردود ہے۔ ان کی مثال چمکتی ریت کی طرح ہے کہ پیاسے کو دوپہر کے وقت دور سے پانی کی طرح دکھائی دیتی ہے وہاں جاتا ہے تو کچھ بھی نہیں پاتا۔ کافر کو اپنے اعمال مثلاً ہسپتال بنا دینا، پانی کی سبیل لگا دینا یا کسی کافر کا کوئی تعلیمی ادارہ یا عبادت خانہ بنوا دینا بہت فائدہ مند نظر آتے ہیں اور مستقبل میں ان سے بڑی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں مگر قیامت کے دن کافر اپنے اعمال سے کچھ فائدہ نہ پائے گا۔

دوسری قسم کے کافر وہ ہیں جو سر سے پاؤں تک دنیا کے مزوں میں غرق ہیں اور جہل و کفر کے اندھیروں میں غوطے کھاتے ہیں۔ ان کی مثال اگلی آیت میں بیان فرمائی کہ ان کے دل میں اتنی بھی چمک نہیں جتنی سراب پر دھوکہ کھانے والوں کو نظر آتی ہے۔ یہ تو شدید تر اندھیروں میں ہیں کہ کسی طرف سے روشنی کی چمک ان تک نہیں آ سکتی۔ اگلی مثال یہ ہے۔

اَوْ کَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ط
ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ط اِذَآ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَکَدْ یَرٰهَا. (النور: 40)

(یا جیسے اندھیرے گہرے دریا میں۔ چڑھتی ہے اس پر ایک لہر اس
کے اوپر اور لہر اس کے اوپر بادل۔ اندھیرے ہیں ایک پر ایک جب
نکالے اپنا ہاتھ نہیں قریب کہ دیکھے اس کو)

مَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ کَرَمَادِ اِشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ
ط لَا یَقْدِرُوْنَ مِمَّا کَسَبُوْا عَلٰی شَیْءٍ. (ابراھیم 18)

(مثال ان لوگوں کی جو منکر ہوئے اپنے رب سے ان کے اعمال اس
راکھ کی طرح ہیں جس پر چلی زور کی آندھی)

کفار یہ سمجھتے تھے کہ ہم بہت سے نیک اعمال کرتے ہیں یہ سب اکارت کیسے ہو جائیں گے ان کو اس مثال کے ذریعے سمجھایا کہ دیکھو جس طرح آندھی میں لاکھوں ذرات اڑ جاتے ہیں اس طرح تمہارے اچھے اعمال پر کفر کی آندھی چل جائے تو کسی کام کے نہیں رہیں گے۔ جیسے کسی شخص کے ہاتھ پاؤں اور دیگر تمام اعضاء صحیح سالم ہوں مگر اس کی روح نکل جائے تو ہاتھ پاؤں کا صحیح سالم ساتھ ہونا کس کام آئیگا۔

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ . (الاعراف : 171)

(اور جب ہم نے اٹھایا پہاڑ ان پر مثل سائبان کے)

بنی اسرائیل نے تورات کے احکام ماننے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو ان کے سروں پر کر دیا کہ مان لو ورنہ یہ تمہارے اوپر گر جائیگا۔ اس وقت کی پہاڑ کی حالت کو واضح کیا کہ پہاڑ کے اٹھانے سے مراد اس کا ہلانا یا دیوار کی طرح ٹیڑھا کرنا نہیں بلکہ پوری قوم بنی اسرائیل اس کے نیچے آ چکی تھی۔ اگر اقرار نہ کرتے تو فوراً اس کے نیچے دبا دیئے جاتے۔ جب اقرار کر لیا تو پہاڑ دوبارہ اپنی جگہ کھڑا ہو گیا اور پوری قوم کا نیچے آ جانا اس تشبیہ سے واضح ہو گیا۔

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ . (الحدید : ۲۱)

(اور جنت کہ چوڑائی اس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے)

جنت کی وسعت کو اس سے زیادہ آسان انداز میں نہیں سمجھا جا سکتا۔ اگر چہ

سورج اور ستارے زمین سے بہت بڑے ہیں مگر ظاہری نظر میں چھوٹے دکھائی دیتے ہیں انسان کو زمین اور آسمان سے بڑی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ بلکہ اس کو اس کا کنارہ بھی نہیں ملتا۔ تو جنت کی وسعت کو سمجھایا کہ اس کی چوڑائی زمین و آسمان دونوں کی چوڑائی کی طرح ہے تو اس کا طول کتنا ہوگا۔ جب کہ طول عام طور پر عرض سے زیادہ ہوا کرتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جنت کی وسعت کو ذہن نشین کرنے کیلئے اس سے زیادہ جاندار اور آسان اسلوب اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا. (الجمعة: 5)

(مثال ان لوگوں کی جن کو اٹھوائی تورات پھر انہوں نے اس کو نہ اٹھایا اس کو گدھے کی طرح ہے جو اٹھائے کتابیں)

اس تشبیہ میں علمائے یہود کی بے عملی کو جس انداز سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اس سے اعلیٰ اسلوب ناممکن ہے۔

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ (الاعراف : 176)

(اس کی حالت کتے کی طرح ہے اگر اس پر بوجھ لادے تو ہانپے چھوڑے تو ہانپے)

اس جگہ بلعم بن باعور جو ایک عالم سوء تھا اس کی حالت کو بیان کیا کہ دنیا کی حرص کی وجہ سے اس کی زبان لٹک گئی اور ترک آیات کی نحوست سے مسلسل کتے کی طرح ہانپنے لگا۔

حضرت شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آیات کا شان نزول کچھ

بھی ہو بہرحال ایسے ہوا پرستوں کا انجام بتلایا گیا جو حق کے قبول کرنے یا پوری طرح سمجھ لینے کے بعد محض دنیوی طمع یا سفلی خواہشات کی پیروی میں احکام الہیہ کو چھوڑ کر شیطان کے اشارے پر چلنے لگے اور خدا کے عہد و میثاق کی کچھ پرواہ نہ کریں۔ پھر فرماتے ہیں علمائے سوء کے لئے ان آیات میں بڑا عبرت ناک سبق ہے اگر دھیان کریں۔ (تفسیر عثمانی: ۲۳۰)

❁ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (الحاقه:۷)

(گویا کہ وہ کھجور کے بے جان تنے ہیں۔)

عذاب کے بعد قوم عاد کے مردہ جسموں کو کھجور کے کھوکھلے تنوں سے تشبیہ دی ہے وجہ تشبیہ قد کی لمبائی اور سر کا جدا ہونا ہے اور بے گور و کفن زمین پر لاوارث پڑے ہونا ہے۔

❁ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ (العنکبوت:۴۱)

(مثال ان لوگوں کی جنہوں نے خدا کے سوا کارساز بنا لئے مکڑی کی طرح ہے جس نے ایک گھر بنایا اور سب گھروں میں کمزور مکڑی کا گھر ہے۔)

جس طرح مکڑی کا جالا نہ بارش کو روک سکتا ہے نہ آندھی کو اسی طرح مشرکین کے معبودین باطلہ کسی مشکل کو دور نہیں کر سکتے۔ مشرکین ایسی مثالوں کا

[اور اس کیلئے ہیں جہاز اونچے کھڑے دریا میں پہاڑوں جیسے]

اس میں سمندری جہازوں کو عظمت میں پہاڑوں سے تشبیہ دی ہے آج کل تو بحری بیڑے بن چکے ہیں جن میں جہازوں کے کھڑے ہونے اور اترنے چڑھنے کیلئے رن وے بنے ہوئے ہیں۔ چودہ سو سال پہلے تو اتنے بڑے جہازوں کا تصور ہی نہیں تھا۔ یہ باتیں حقانیت قرآن کی بین دلیل ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے

❁ وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ اِذَا مَامِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا o اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا (مریم:67-66)

[اور انسان کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو پھر زندہ (کیسے) کیا جاؤں گا کیا وہ اتنا بھی نہیں جانتا کہ پہلے جب وہ کچھ بھی نہیں تھا ہم نے اسے پیدا کیا]

مقصد یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے جب انسان کو اس وقت پیدا کر دیا جب وہ کچھ بھی نہ تھا تو پھر مرنے کے بعد دوبارہ کون سی مشکل بات ہے یہاں پر بعثت قیامت کو بعثت حیات اولی سے تشبیہ دی گئی ہے اب دوبارہ زندہ کا انکار کرنے والا آئے گا اور جواب دے کہ جب خلق اجسام ممکن ہے تو حشر انسان کس طرح ناممکن ہوگا۔ یقیناً اس بات کا جواب کوئی نہیں دے سکے گا اس مقام پر قرآن مجید کی بلاغت قابل غور ہے کہ تشبیہ کے ذریعے ایک مشکل سوال کا جواب کس قدر موزوں مناسب انداز میں دیا گیا ہے۔

❁ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا O

[اور چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ بنایا]

اس آیت میں چاند کو نور سے اور سورج کو چراغ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ وجہ تشبیہ دونوں میں رفع ظلمت ہے چاند کیلئے روشنی اور سورج کیلئے چراغ کا لفظ استعمال کرنا بھی اعجاز قرآن کی واضح دلیل ہے مفسرین نے ۱۴۰۰ سو سال پہلے لکھا کہ نور القمر مستفاد من نور الشمس [چاند کا نور سورج سے مستعار لیا گیا]

نہ تو اس وقت بجلی کی دریافت ہوئی تھی نہ الیکٹرانک مشینوں کا زمانہ تھا نہ ہی خلائی مشن بھیجے گئے لیکن علیم وخبیر ذات نے سائنسی اشارات پہلے ہی دے دیئے تھے ورنہ ایسی بات کرنا اس وقت کے انسان کے بس کی بات نہیں ہو سکتی۔ تاہم یہ طے شدہ بات ہے کہ سورج کا نور ذاتی ہے اس لئے اسے چراغ کہا گیا جبکہ چاند کا نور مستعار ہے اس لئے اسے روشنی کہا گیا۔ قرآن مجید میں ایک جگہ سورج کا تذکرہ مؤنث کے صیغے میں بازغة (روشن) کیا گیا ہے جبکہ چاند کا تذکرہ مذکر کے صیغے بازغا سے کیا گیا ہے۔ مفسرین نے اس کی بھی وجہ یہی لکھی کہ سورج کی مثال ماں کی سی ہے اور چاند کی مثال بچے کی سی ہے۔ جس طرح بچہ اپنی ماں کے سینے سے دودھ پی کر نشونما پاتا ہے اسی طرح چاند سورج سے روشنی لینے کی وجہ سے بڑھتا گھٹتا نظر آتا ہے قرآن مجید کے اعجاز پر حیرت ہوتی ہے کہ دو مختلف الفاظ استعمال کر کے کتنے حقائق سے پردے اٹھا دیئے

③ استعارہ

استعارہ درحقیقت ایک تشبیہ مختصر کا دوسرا نام ہے مثال کے طور پر یہ کہنا کہ میرا شیر تلوار کا دھنی ہے اس کا مقصد یہ ہوگا کہ فلاں شخص جو بہادری میں شیر کی مانند ہے وہ تلوار چلانے کا بڑا ماہر ہے۔ پس استعارہ ایک ایسی تشبیہ ہے جس میں

صرف مشبہ یا مشبہ بہ کا ذکر ہوتا ہے باقی اجزائے تشبیہ ساقط کر دیئے جاتے ہیں جبکہ تشبیہ میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں کا ذکر ضروری ہوتا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ (الملک : 5)

[اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے آراستہ کیا]

وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتَابِ (الزخرف : 4)

[بے شک وہ لوح محفوظ میں ہے]

ام الکتاب سے لوح محفوظ مراد ہے کیونکہ وہ تمام کتابوں سے پہلے لکھی گئی اور تمام کتابوں کی اصل مراد پائی

وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (الانعام: 92)

[اور تاکہ تو مکہ والوں کو ڈرائے اور اس کے اردگرد رہنے والوں کو]

چونکہ سب سے پہلے بیت اللہ کو بنایا گیا اس لئے تمام بستیون کے لئے مکہ کو بطور دائرہ کے مرکز کے قرار دیا

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ (الاسراء : 24)

[اور ان کیلئے کندھے جھکا عاجزی اور نیازمندی سے]

انسانی بازو کو پرندے کے پر سے تشبیہ دے کر مشبہ حذف کر دیا مطلب یہ ہے کہ والدین سے انتہائی نرمی سے پیش آؤ۔

فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ (النحل : 112)

[پھر چکھایا اللہ تعالیٰ نے اس کو لباس بھوک اور خوف کا]

اس میں بھوک قحط سالی اور خوف و ہراس کے ساتھ لباس کا لفظ استعمال کیا

کہ جیسے لباس جسم کے ہر طرف ہوتا ہے اسی طرح قحط سالی اور خوف و ہراس نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ مزید برآں لباس کی طرح جسم خائف پر زردی چھا جانا یا بھوک کی وجہ سے پورے جسم کا کمزور ہو جانا کتنا لطیف پیرایہ بیان ہے

وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ (التکویر: 18)

[اور صبح کی قسم جب سانس لیوے]

گویا آفتاب کو تیرنے والی مچھلی سے اور طلوع سے پہلے اس کے نور کر منتشر ہونے کو مچھلی کے سانس سے تشبیہ دی جیسے مچھلی دریا میں آنکھوں سے پوشیدہ گذرتی ہے اور اس کے سانس لینے سے پانی اڑتا ہے اسی طرح آفتاب کی حالت قبل طلوع ہے۔

كُلَّمَا اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ (المائدہ: 64)

[جب کبھی لڑائی کے لئے آگ سلگاتے اللہ اس کو بجھا دیتا ہے]

اس میں دلوں کی عداوت کو آگ سے تشبیہ دی گئی ہے

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ (الانبیاء: 18)

[بلکہ ہم حق کو مارتے ہیں باطل پر تو وہ اس کا سر پھوڑ دیتا ہے پھر مٹ جاتا ہے]

اس میں حق و باطل کے مقابلے کو دو دشمنوں کی لڑائی سے تشبیہ دی اور حق کے غلبہ کو مقابل کے سر پھوڑنے سے تعبیر کیا۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ (یٰسین: 27]

[اور نشانی ہے ان کیلئے رات کھینچ لیتے ہیں ہم اس سے دن تو وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں]

سلخ کہتے ہیں جانور کی کھال اتارنے کو جس سے نیچے کا گوشت ظاہر ہو جائے یہاں سلخ کا استعارہ ہے رات کے ظاہر ہونے سے یوں سمجھو کہ رات کی تاریکی پر دن کی چادر پڑی ہوئی ہے جب یہ نور کی چادر اوپر سے اتری جاتی ہے لوگ اندھیرے میں پڑے رہ جاتے ہیں آج کل خلائی گاڑیوں میں رہنے والے خلاباز اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ جب وہ خلا میں بیٹھ کر زمین کی طرف دوربین سے دیکھتے ہیں تو زمین چونکہ اپنے مرکز کے گرد گردش کر رہی ہے تو اس کا جو حصہ سورج کے سامنے آتا جاتا ہے وہاں رات کی تاریکی ختم ہو جاتی ہے اور دن کی روشنی پھیل جاتی ہے دیکھنے والے کو ایسے ہی محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کسی جانور کی کھال اتاری جا رہی ہے اور اندر سے گوشت نظر آ رہا ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ پروردگار عالم کے کلام نے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھا دیا ہے۔ جن کو سمجھنے کیلئے انسانی عقلوں کو ہزاروں سال ٹھوکریں کھانی پڑی ہیں

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نقطہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ (الاعراف: 154)

[اور جب تھم گیا موسیٰ کا غصہ]

اس میں خاموش ہو جانا استعارہ ہے غصے کے تھم جانے سے تو غصہ مشبہ بہ پھر مشبہ بہ کو حذف کر دیا او سکت کو غصہ کیلئے ثابت کر دیا ہے

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِى الْجَارِيَةِ (الحاقۃ: 11)

[جب پانی نے جوش مارا ہم نے تم کو کشتی میں اٹھالیا]

پانی کی کثرت کو سرکشی سے تعبیر کیا۔ حسن کلام کی انتہاء ہے

وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ (حم السجدة : 51)

[اور جب پہنچے اس کو برائی تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا ہو جاتا ہے]

دعا کا چوڑا ہونا استعارہ ہے دیر تک دعا کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فریاد کرنے والا تفصیلی سنا کر خوش ہوتا ہے

حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا (محمد:4)

[یہاں تک کہ رکھ دے لڑائی اپنے ہتھیار]

یہاں ہتھیار رکھنا استعارہ ہے جنگ کے ختم ہو جانے سے

مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا (البقرة : 214)

[پہنچی ان کو سختی اور تکلیف اور ہلائے گئے]

مصیبت کو جسم کی ساتھ ملنے والے کپڑے سے تشبیہ دے کر مشبہ بہ کو حذف کر دیا ہے

فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ (آل عمران :187)

[پھر پھینک دیا انہوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ کے پیچھے]

عہد کا پھینکنا استعارہ ہے اس کو پورا نہ کرنے سے

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ (الشعرا: ۲۲۵)

[کیا نہ دیکھا تو نے کہ وہ ہر وادی میں سر مارتے پھرتے ہیں]

وادیوں میں سرگرداں ہونا استعارہ ہے فنون شعر میں وقت ضائع کرنے سے

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ (الاسراء : ۲۹)

[اور نہ کر اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن سے]

ہاتھوں کا گردن سے بندھا ہونا استعارہ ہے بخل سے۔ بخل کی مذمت اس سے بہتر الفاظ میں نہیں کی جا سکتی۔

فَضَرَبْنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمْ (الکهف : 11)

[پھر تھپکی دی ہم نے ان کے کانوں پر]

کانوں پر تھپکی دینا استعارہ ہے آرام دہ نیند سے کہ کوئی خبر ان (اصحاب غار) کے کانوں میں نہ پڑتی تھی۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران ع 11)

[تم اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو اور متفرق مت ہو]

اس آیت میں اسلام کو حبل اللہ سے تشبیہ دی گئی ہے وجہ جامع قوت رابطہ اور و لا تفرقوا قرینہ استعارہ ہے۔

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ (الفجر : ۱۳)

عذاب کو نازل کرنے کو پانی برسانے سے تشبیہ دی پھر مشبہ بہ کو حذف کر دیا

4 تلاؤم:

تلاؤم کہتے ہیں حسن کلام ایسا ہو کہ اس کے معانی عوام الناس کو صاف سمجھ میں آ جائیں۔ یعنی جو لوگ زبان پر زیادہ عبور نہ رکھتے ہوں ان کیلئے بھی بات سمجھنی آسان ہو۔ اس کا تعلق طبیعت کے ذوق کے ساتھ ہے۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن پاک سارے کا سارا تلاؤم کے اعلیٰ درجے میں ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (القمر : ۱۷)

(اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا تو ہے کوئی سمجھنے والا)

⑤ فواصل:

فقرات کے آخری الفاظ کو فواصل کہتے ہیں اور اگر فواصل کے آخری حروف باہم متفق ہوں تو اسے سجع کہتے ہیں جیسے

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ o وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ o وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ o وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ o حَتّٰى اَتٰنَا الْيَقِيْنُ o فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ o (مدثر ع 2)

[مجرم کہیں گے کہ ہم نہ تو نماز پڑھتے ہیں اور نہ مساکین کو کھانا کھلاتے تھے۔ البتہ اور لوگوں کے شغلوں میں ہم مشغول رہتے تھے۔ یوم قیامت کی تکذیب کرتے تھے۔ آخر موت آ گئی۔ اب سفارش کرنے والوں کی سفارش سے کوئی فائدہ نہیں]

ان تمام فواصل کے آخر میں نون ہے۔ سجع کی وجہ سے کلام کی موزونیت اور جاذبیت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ادباء اور شعراء تکلف سے کام لے کر اپنے کلام میں اس صفت کو پیدا کرتے ہیں اس لئے کئی مرتبہ ان کا کلام بے جان سا معلوم ہوتا ہے۔ مگر قرآن پاک کا انداز ہی نرالا ہے۔ ذیل میں فواصل کے باہم متفق ہونے کی تین قسمیں بیان کی جاتی ہیں

① سجع مطرف:

لفظ کے آخری وہ حروف جن پر سجع کا دارومدار ہوتا ہے حروف روی کہلاتے ہیں۔ سجع مطرف میں الفاظ فواصل روی میں متفق ہوتے ہیں مگر وزن میں مختلف

ہوتے ہیں مثلاً

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا o وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا o (نوح ع 1)

[کیا ہوا ہے تم کو کیوں نہیں امید رکھتے اللہ سے بڑائی کی۔ اور اسی نے بنایا تم کو طرح طرح سے]

اس آیت میں وقارا اور اطوارا حروف روی میں متفق جبکہ وقارا اور اطوارا کا وزن مختلف ہے

② سجع متوازی:

الفاظ اصل وزن اور روی دونوں میں متفق ہیں جیسے

فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ . وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ (غاشیہ: 14-13)

(جنت میں اونچے تخت ہوں گے اور چنے ہوئے برتن ہوں گے)

اس آیت میں الفاظ مرفوعہ او موضوعہ وزن اور روی دونوں میں متفق و متحد ہیں۔

③ سجع مرصع:

ایک فقرے کے اکثر الفاظ یا کل الفاظ دوسرے فقرے کے الفاظ سے قافیہ اور وزن میں متفق ہوں۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ o وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ (انفطار : ع 1)

[نیک لوگ بے شک آسائش میں ہوں گے اور بدکار لوگ بے شک دوزخ میں ہوں گے]

پہلے فقرے کے الفاظ ان الابرار اور دوسرے فقرے کے ان الفجار

کے ہم وزن اور ہم قافیہ ہیں۔جبکہ لفی نعیم اور لفی جحیم ایک دوسرے کے ہم وزن اور ہم قافیہ ہیں۔سجع کے مختلف مراتب ہیں۔سب سے بہترین سجع وہ کہلاتی ہے جس میں فقرات سجع کے کلمات برابر ہوں مثلاً

فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ oوَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ oوَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ o(واقعہ : ع ١)

[جنتی لوگ بے خار بیریوں اور لدے ہوئے کیلوں اور گھرے سایوں میں ہوں گے]

اس آیت میں سدر مخضود، طلح منضود اور ظل ممدود تین فقرے ہیں اور تینوں کے کلمات برابر ہیں۔قرآن مجید میں بعض اوقات ردیف فواصل سے پہلے بھی آئی ہے جیسے

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ oوَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ oوَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ oوَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ o

(غاشیة : 17 تا20)

(کیا وہ لوگ نہیں دیکھتے اونٹ کو کہ کیسے پیدا کیا گیا اور آسمانوں کو کہ بلند کئے گئے اور پہاڑ کس طرح گاڑا گیا اور زمین کہ کس طرح بچھایا گیا]

ان آیات میں کیف بطور ردیف فواصل سے پہلے واقع ہوئی ہے۔

قرآن مجید کی خاص شان یہ ہے کہ اس میں بعض اوقات سلسلہ کلام کے دوران ہی ایک فاصلے سے دوسرے کی طرف عجیب انتقال ہوتا ہے جیسے سورۃ النجم کی پہلی 56 آیات الف پرختم ہوتی ہیں۔پھر یکدم انداز بدل جاتا ہے دو آیات کے آخر میں تائے تانیث پھر تین آیات کے آخر میں واؤ نون ہے آخری آیات میں صرف واؤ ہے۔ارشاد باری ہے

فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰی oفَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکَ تَتَمَارٰی oهٰذَا نَذِیْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰی oاَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ oلَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کَاشِفَةٌ oاَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ oوَتَضْحَکُوْنَ وَلَا تَبْکُوْنَ oوَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ oفَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا o(النجم 54تا62)

سورت محمد کو بھی دیکھئے اس کی آیات کے آخر میں میم ہے مگر دو آیات کے آخر میں الف ہے اس لئے کہ قرآن کا اپنا نرالا انداز ہے اور اس میں الفاظ کو معنی کے تابع کیا گیا ہے۔اس لئے نہ تو معنی میں اسکا مقابلہ ہوسکتا ہے اور نہ ہی الفاظ میں۔بس قرآن مجید اپنی مثال آپ ہے۔

6 تجانس:

تجانس کی تعریف یہ ہے کہ کلام میں دو لفظ لائیں جو تلفظ میں مشابہ اور معنی میں مختلف ہوں۔اس کی چند صورتیں ہیں۔

تجنیس تام:۔

دو لفظوں کا دیکھنے اور بولنے میں اس طرح یکساں ہونا کہ ان کے حروف کی تعداد اور نوع اور لفظ کی ہیئت بالکل ایک سی ہو۔جیسے

یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ (روم ع 6)

[جس دن قیامت قائم ہوگی گناہگار لوگ قسمیں کھائیں گے کہ وہ دنیا میں گھڑی بھر سے زیادہ نہیں ٹھہرے]

اس آیت میں ساعۃ کا لفظ دو مرتبہ آیا ہے۔پہلی جگہ قیامت کے معنی اور

دوسری جگہ مقدار وقت کے معنی آیا ہے۔

۞ تجنیس ناقص یازائد:

الفاظ متجانس کا عدد میں کم وبیش ہونا جیسے

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ نِ الْمَسَاقُ (القیامۃ ع 1)

[جب پنڈلی سے پنڈلی لپٹے گی تو سمجھ لے کہ آج کے دن تجھے اپنے رب کی طرف جانا ہے]

اس آیت میں الفاظ متجانس ساق اور مساق ہیں۔ دونوں میں ایک حرف کا فرق ہے

۞ تجنیس مضارع

الفاظ متجانس اعداد وحروف وہیئت میں متفق ہوں مگر ایک ایک حرف دونوں میں مختلف ہو اور یہ دونوں حروف قریب المخرج ہوں جیسے

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ (انعام ع:3)

ینہون اور ینئون میں ھا اور ھمزہ کا فرق ہے جبکہ دونوں ہم مخرج ہیں۔

۞ تجنیس لاحق:

اگر متجانس الفاظ کے اعداد، حروف وہیئت میں متفق ہوں مگر دونوں کا ایک ایک حرف مختلف ہو اور یہ دونوں حروف بعید المخرج ہوں جیسے

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ

(مومن ع 8)

[یہ عذاب ان باتوں کہ وجہ سے ہے جس پر تم دنیا میں ناحق خوش تھے اور اس کا جو تم اتراتے تھے]

یہاں پر تمرحون اور تفرحون میں تجنیس ہے مگر فا اور میم بعید المخارج ہیں۔

۞ تجنیس لفظی:۔

متجانسین بولنے میں ایک جیسے ہوں مگر لکھنے میں مختلف ہوں جیسے

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ o اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ o (القیامۃ ع1)

(کچھ چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے)

ناضرۃ اور ناظرۃ میں تجنیس ہے مگر یہ الفاظ بولنے میں یکساں اور لکھنے میں مختلف ہیں

۞ تجنیس اشتقاق:

متجانس الفاظ ایک باب یا ایک مادے سے مشتق ہوں جیسے

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ (روم ع 5)

اقم اور قیم میں تجنیس ہے اور یہ دونوں الفاظ باب قام یقوم میں سے مشتق ہیں۔

۞ تجنیس شبیہ الاشتقاق:

متجانس الفاظ بظاہر ایک باب سے معلوم ہوتے ہیں لیکن درحقیقت مختلف ابواب میں سے ہوں جیسے

قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِکُمْ فِیْ الْقَالِیْنَ (شعراء : ع 9)

[لوط نے اپنی قوم سے کہا کہ میں تمہارے عمل سے بغض رکھتا ہوں]

قال اور قالین میں تجنیس ہے بظاہر دونوں الفاظ ایک مادے سے مشتق معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں مختلف ہیں۔ قال قول سے ہے اور قالین قلی سے ہے جس کے معنی بغض رکھنا کے ہیں۔

تجنیس مرکب:

متجانس الفاظ افراد و ترکیب میں مختلف ہوں جیسے

اِثَّاقَلْتُمْ اِلَی الْاَرْضِ ط اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (توبہ ع 6)

[تم زمین پر لیٹے جاتے ہوں کیا آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو پسند کر بیٹھے]

اس آیت میں ارض اور ارضیتم کے الفاظ میں تجنیس ہے۔ پہلا لفظ مفرد ہے اور دوسرا مرکب ہے۔

تجنیس خطی:

متجانس الفاظ کے حروف متشابہ ہوں اور اگر ان کے نقاط مٹا دیئے جائیں تو دونوں میں کوئی فرق نہ رہے جیسے

وَالَّذِیْ ھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ o وَاِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِ o (الشعراء ع: 5)

[اور وہی جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں مریض ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے]

یسقین اور یشفین میں تجنیس ہے۔ اگر نقطے مٹا دیئے جائیں تو دونوں الفا

ظ یکساں نظر آتے ہیں

تجنیس عکس:

متجانس الفاظ کے حروف کی نوعیت ایک ہو۔ لیکن ترتیب باہم پلٹی ہوئی ہو مثلاً وربک فکبر (مدثر ع 1) [اور اپنے رب کی تکبیر پڑھ]

یہاں ربک فکبر میں حروف کی ترتیب الٹی کر دیں تو پڑھنے سے وہی آیت کے الفاظ بن جائینگے

دوسری آیت میں کل فی فلک (یٰس: 40) [ہر ایک اپنے دائرے میں]

اس آیت میں تجنیسِ عکس پائی جاتی ہے اسکے سات حروف ہیں۔ ک. ل. ف. ی. ف. ل. ک. اگر ان حروف کو بائیں سے دائیں پڑھیں تو بھی وہی الفاظ بن جاتے ہیں۔

اب ذیل میں تجنیس کی مزید مثالیں قرآن مجید سے پیش کی جاتی ہیں

- فَاَقِمْ وَجْھَکَ لِلدِّیْنِ الْقَیِّمِ o (الروم :43)

[اور سیدھا رکھیں اپنے چہرے کو سیدھی راہ پر]

یہاں اقم اور قیم میں تجانس ہے قاف اور میم دونوں میں ہیں مگر معنی میں فرق ہے۔

- وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (النمل 44]

[اور فرمانبردار ہوئی میں ساتھ سلیمانؑ کے اللہ کیلئے جو رب سب جہان والوں کا] اسلمت اور سلیمان میں تجانس ہے

- یٰاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ (یوسف :84)

[ہائے افسوس یوسف پر]

اسفا اور یوسف دونوں میں سین اور فا کی وجہ سے تجانس ہے

◎ فَاَدْلٰی دَلْوَهٗ (یوسف : 19)

[لٹکایا اس نے اپنا ڈول]

ادلی اور دلوہ میں تجانس ہے

◎ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ (النور: 48)

[ڈرتے ہیں اس دن سے جس دن الٹ جائیں دل اور آنکھیں]

تتقلب اور قلوب دونوں کے اصلی حروف ایک جیسے ہیں اور معنی کا فرق ہے

◎ وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ (الرحمن : 58)

جنی اور جنتین دونوں میں جیم اور نون کی وجہ سے تجانس ہے جنی کا معنی پھل اور جنتین کا معنی دو باغ ہیں

◎ فَرَوْحٌ وَّ رَیْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِیْمٍ (الواقعة : 89)

[تو راحت، روزی اور نعمت کے باغ ہیں]

روح اور ریحان میں تجانس ہے۔ روح کا معنی راحت اور ریحان کا معنی ہے روزی۔

◎ فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ (البقرة : 194)

[تو جس نے تم پر زیادتی کی تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر کی]

اعتدی اور اعتدوا میں تجانس ہے پہلے میں زیادتی اور دوسرے میں

زیادتی کا بدلہ مراد ہے

◎ وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰهُ (آل عمران : 54)

[اور انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی تدبیر کی]

دونوں کا مادہ ایک ہے پہلے سے مراد چالاکی، ہوشیاری اور دھوکہ جبکہ دوسرے سے مراد خفیہ تدبیر ہے

◎ ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (التوبہ:128)

[پھر چل دئے اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا]

اس میں انصرفو اور صرف کے حرف اصلی ایک جیسے ہیں اور معنی کا فرق ہے

7 تصریف

ایک لفظ کو الٹ پھیر کر مختلف معانی حاصل کرنا تا کہ کلام میں حسن پیدا ہو جائے جیسے الملک کو مالک اور ملک میں استعمال کرنا۔ یا ذی الملکوت اور الملیک کے معانی میں استعمال کرنا۔ قرآن مجید میں اس کی مثال مالک یوم الدین ہے۔ بعض قراء ملک یوم الدین بھی پڑھتے ہیں

8 تضمین

کسی چیز کا ذکر کئے بغیر اس کے معانی حاصل کرنا تضمین کہلاتا ہے۔

◉ بسم اللہ الرحمن الرحیم اس میں تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت کی بناء پر ہر کام سے پہلے اس کے نام سے برکت حاصل کرنے کیلئے اس کو

پڑھا جائے۔ (اعجاز القرآن)

◉ حَقِيقٌ عَلٰى اَنْ لَّا اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ (الاعراف :105)

[قائم اس پر کہ نہ کہوں اللہ پر مگر حق]

حقیق حریص کے معنی کو متضمن ہے۔

◉ لَا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا

[نہ شریک کرو میرے ساتھ کسی کو]

لَا تُشْرِكْ کے بعد بی اس لئے لایا گیا کہ یہ لاتعدل کے معنی کو متضمن ہے معنی یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ عبادت اور محبت میں کسی کو برابر نہ کہو

ارشاد فرمایا عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ (الدھر 6)

[ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں اللہ کے بندے]

یشرب یروی کے معنی کو متضمن ہے اس لئے اس کے بعد بھا لایا گیا

⑨ مبالغہ

کسی چیز کی صفات کو ظاہر کرنے کیلئے پر زور لفظ استعمال کرنا مبالغہ کہلاتا ہے

جیسے

◉ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الانعام : 103) [خالق ہر چیز کا]

ایسے جاندار کلمات استعمال کئے کہ کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز اس میں داخل ہو جاتی ہے۔

◉ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ (الاعراف:40)

[اور نہیں داخل ہوں گے جنت میں یہاں تک کہ گھس جائے اونٹ سوئی کے ناکے میں]

یعنی جس طرح اونٹ کا اپنی ضخامت کے ساتھ سوئی کے ناکے سے گذرنا محال ہے اسی طرح مشرک کا جنت میں داخلہ بھی محال ہے۔

◉ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ (النحل :26)

[پھر حکم آ پہنچا اللہ کا ان کی عمارت کی بنیادوں سے]

یعنی جب اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچا تو اس نے عمارت کی بنیادیں ہلا دیں عذاب الٰہی کے ایک جھٹکے میں ان کے تیار کئے ہوئے محل نیچے آ پڑے ان کے چھتوں کے نیچے سب دب کر رہ گئے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ان کی تدبیریں ان ہی پر الٹ دیں جس طرح عمارت کی بنیاد ہل جائے تو معاملہ الٹ ہو جاتا ہے۔

◉ اَنَا اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ (سبا : 34)

[بیشک ہم یا تم ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں]

اس میں ھدی کی تنوین تعظیم کیلئے ہے مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ کامل ھدایت پر اور آپ ﷺ کے مخالفین کھلم کھلا گمراہی میں ہیں مگر ایسا اسلوب اختیار کیا کہ جس سے مقابل کو سوچنے سمجھنے کا موقعہ مل سکے۔

⑩ حسن البیان:

کلام کی فضیلت اس کے حسن بیان کی وجہ سے ہوتی ہے اس لئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا

اَلرَّحْمٰنُ o عَلَّمَ الْقُرْآنَ o خَلَقَ الْاِنْسَانَ o عَلَّمَهُ الْبَيَانَ o (الرحمن:1,4)

[رحمٰن نے سکھایا قرآن، پیدا کیا انسان کو، سکھایا اس کو بیان]

قرآن مجید کے حسن بیان پر نظر ڈالی جائے تو سب سے پہلی بات یہ سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

هٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ (آل عمران : 138)

[یہ بیان ہے لوگوں کے واسطے]

دوسری جگہ ارشاد فرمایا

تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ [کھلا بیان ہے ہر چیز کا](النحل:89)

ایک جگہ یہ بھی ارشاد فرمایا بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ (الشعراء 195)

[کھلی عربی زبان میں]

ان آیات سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید حسن بیان میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتا قرآن مجید کے زور بیان کی مثالیں درج ذیل ہیں۔

① حسن ترتیب کی مثال:۔

ترغیب کے بیان میں قرآن مجید کی آیات کے چند الفاظ ہی کافی ہیں۔

وَفِیْهَا مَاتَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ (زخرف: ع7)

[جنت میں وہ چیزیں ہوں گی جن کو دل چاہے اور جو آنکھوں کو لذت دیں]

اس کلام سے معلوم ہوا کہ جنت کی تمام چیزیں دل پسند اور دیدہ زیب ہوں گی۔ قطع نظر اس کے کہ یہ فقرہ مصنوع اور مطبوع ہے یہ کلام کس قدر واضح، فصیح، بلیغ اور جامع ہے اور مزید برآں صداقت اور واقعیت سے پر ہے۔ دیدہ و دل کیلئے اس سے زیادہ شوق کی بات کیا ہو سکتی ہے۔ وہ کون سی خوبی ہے جس کا ان الفاظ میں تذکرہ نہیں کیا گیا۔ عقیدت کیش دل ہو اور حسن طلب نگاہیں ہوں تو معلوم ہو کہ ان الفاظ میں ترغیب و تشویق کا کس قدر جادو بھرا ہوا ہے۔

② حسن ترہیب کی مثال

ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَکُمْ وَکِیْلًا ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَکُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰی فَیُرْسِلَ عَلَیْکُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ فَیُغْرِقَکُمْ بِمَا کَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَکُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا ۝ (بنی اسرائیل : ع۷)

[سو کیا تم بے ڈر ہو گئے اس سے کہ دھنسا دے تم کو جنگل کے کنارے یا بھیج دے تم پر آندھی پتھر برسانے والی پھر نہ پاؤ اپنا کوئی نگہبان، یا بے ڈر ہو گئے ہو اس سے کہ پھر لے جائے تم کو دریا میں دوسری بار پھر بھیجے تم پر ایک سخت ہوا کا جھونکا پھر ڈبو دے تم کو بدلے میں اس ناشکری کے پھر نہ پاؤ اپنی طرف سے ہم پر اس کا کوئی باز پرس کرنے والا]

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نافرمانوں کیلئے عذاب الٰہی سے بچنے کی کوئی صورت نہیں اللہ تعالیٰ جسے پکڑنا چاہتا ہے اس پر خشکی اور تری کو تنگ کر دیتا ہے ان مختصر الفاظ میں ڈرانے اور خوف دلانے کا کوئی پہلو باقی نہیں رہا۔ سوچیے تو سہی کہ کہیں پناہ نہ ملنا۔ کسی کا یہ بھی نہ کہہ سکنا ایسا کیوں ہوا۔ یا جس نے پکڑا اس تک کسی کی پہنچ ہی نہ ہو سکے۔ نافرمانوں کی مصیبت اور بے کسی کی انتہا ہے ان آیات کو سن کر انسان ہیبت اور عظمت الٰہی سے مرعوب ہو جاتا ہے اور قہر الٰہی کا تصور کر کے بدن پر جھرجھری سی آ جاتی ہے۔

③ حسن تفہیم کی مثال

ارشاد باری تعالیٰ ہے

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ
وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ
فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ o فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ
الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ o (یونس : ع ۴)

[اے محبوب ﷺ ان کفار سے پوچھئے کہ تمہیں آسمان و زمین سے روزی دینے کون آتا ہے۔ تمہاری سمع اور بصر کا مالک کون ہے۔ بھلا کون ہے بے جان سے جاندار کو نکالنے والا اور جاندار سے بے جان کو نکالنے والا۔ وہ جواب میں کہیں گے اللہ۔ اب ان سے کہو کہ یہ سب جانتے ہوئے بھی تم برائیوں سے نہیں بچتے۔ یہی تمہارا پروردگار برحق ہے اور حق کے بعد گمراہی رہ جاتی ہے۔ آخر تم کدھر جا رہے ہو] ان آیات میں مخاطب سے ایسا سوال پوچھا گیا جس کا جواب ہی ان کی گمراہی کی دلیل ہو۔ تو اپنے مقصد کو واضح کرنے کیلئے یہ کس قدر پیارا انداز ہے۔

④ قوت تخویف کی مثال:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ o مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ
صَدِيْدٍ o يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ
بِمَيِّتٍ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ o (ابراھیم: ع ۳)

[تمام سرکش اور ضدی نامراد ہو گئے۔ آگے اس کے جہنم ہے پینے کیلئے پیپ کا پانی ملے گا وہ اسے گھونٹ گھونٹ کر کے پیئں گے لیکن وہ

حلق سے نہ اترے گا ہر طرف سے اسے موت آئے گی لیکن وہ کسی طرح بھی نہ مرے گا اور اسے سخت عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا)

پیاس کی شدت کے وقت پر لہو پینے کا تصور کر کے بدن میں تھرتھری پیدا ہو جاتی ہے پھر موت کی تکلیف تو ہو مگر موت نہ آئے تو انسان کہاں جائیں۔ قرآن مجید کے اسی مضمون کو شاعر نے اپنے الفاظ میں ڈھالا ہے۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

⑤ قوت زجر و توبیخ کی مثال:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا o لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا o تَكَادُ السَّمٰوٰتُ
يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا o اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا
(مریم : ع 6 آیت 88-91)

(اور یہ (کافر) لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد (جن) اختیار کر رکھی ہے۔ (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) تم نے (جو) یہ (بات کہی تو) ایسی سخت حرکت کی ہے کہ اس کے سبب کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں۔ اس بات سے کہ یہ لوگ (خدائے) رحمان کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں)

⑥ بے ثباتی عالم کا بیان:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ
وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ
يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ
وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ
الْغُرُوْرِ o(الحدید: 20)

[جان لو کہ دنیوی زندگی صرف لہو ولعب اور زینت اور مال و اولاد میں باہمی تفاخر ہے اس کی مثال بارش کی سی ہے کہ جب برسے تو کسان کو کھیتی بھی اچھی لگے پھر وہ پک کر خشک ہو جاتی ہے زرد نظر آتی ہے اور بالآخر بھوسہ بن جاتی ہے۔ آخرت کا یہ حال ہے کہ وہاں شدید عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت و رضامندی بھی ہے پس دنیوی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے]

یہ آیت وسعت مضامین کے لحاظ سے حیرت انگیز ہے دنیوی زندگی کے تین رجے ہیں

1 بے عقلی کا زمانہ

اس زمانے میں بچے کو کھیل کود کے سوا کچھ اچھا نہیں لگتا۔ حتیٰ کہ کھانے پینے کا ہوش بھی نہیں رہتا۔

2 کمال عقل کا زمانہ

اس میں نوجوانوں کو زینت و خود پسندی اچھی لگتی ہے۔ ہر نوجوان حسن میں یوسف زماں۔ قوت میں رستم زماں اور مال و دولت میں وحید زماں کہلانے کا

خواہش مند ہوتا ہے۔

3 انحطاط عقل کا زمانہ:

اس میں بوڑھے آدمی میں پست ہمتی آ جاتی ہے۔ اس کی گفتگو کا موضوع اکثر و بیشتر مال و اولاد ہوتا ہے۔ غور کیجئے کہ بچے کی مثال سبز کھیت کی مانند ہے وہی دلفریبی وہی نزاکت، ماں باپ کا قرۃ العین بنے رہنا۔ انکی امیدوں کا مرکز بن جانا مگر سبز کھیتی کی طرح دوسروں کی حفاظت ونگہداشت کا محتاج رہنا۔ جس طرح والدین ہر حال میں بچے کی خاطر رات کو جاگتے ہیں اسی طرح کسان اپنی کھیتی کو ہر قیمت پر سرسبز دیکھنا چاہتا ہے۔ جب بچہ نوجوان بن جاتا ہے تو اس میں مادہ تولید پڑ جاتا ہے اسی طرح کھیتی پکنے پر اس میں دانہ پڑ جاتا ہے۔ نوجوان اپنے وسائل سے ماں باپ کی ضرورت پوری کرتا ہے۔ اسی طرح کھیتی کسان کی ضرورت پوری کرتی ہے۔ پھر جب انسان پر بڑھاپا آتا ہے تو اس کے پاس گذری ہوئی زندگی کی باتوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا اسی طرح دانہ حاصل کرنے کے بعد کسان کے پاس بھوسے کے سوا کچھ نہیں بچتا۔ پس نتیجہ نکلا کہ دنیا کی زندگی کو ثبات نہیں یہ دھوکے کا گھر ہے۔

7 مذمت دنیا کا بیان:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ
وَّاَبْقٰى اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ o (القصص: 60)

[تمہیں جو کچھ ملا ہے وہ متاع اور زینت دنیا ہے مگر یہ سب کچھ فانی و

ناقص ہے البتہ اللہ تعالٰی کے پاس جو کچھ ہے وہ دونوں سے اچھی بھی
ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے اب بھی تمہیں بات سمجھ نہیں آتی]

کس قدر حیرت کی بات ہے کہ دنیا کی تمام نعمتوں کو ایک آیت میں سمیٹ کر ان کے بارے میں ایک ایسی بات کہی ہے جس نے انہیں بے قیمت ثابت کر دیا ہے متاع حیات کا تعلق اجتماعی زندگی سے زیادہ ہے جبکہ زینت حیات کا تعلق انفرادی زندگی سے زیادہ ہے قرآن مجید میں متاع حیات کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ .ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا(آل عمران:14)

[خوشنما معلوم ہوتی ہے لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی جیسے عورتیں، بیٹے،سونے چاندی کے ڈھیر،نشان لگے ہوئے گھوڑے،مویشی،اور زراعت یہ سب کچھ متاع حیات دنیا ہے]

دوسری آیت میں زینت حیات کے متعلق فرمایا

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (الکهف :46)

[مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی متاع ہے]

قرآن مجید کا حسن بیان ملاحظہ ہو کہ ایک آیت میں زینت حیات اور متاع حیات کا تذکرہ کر کے فرمایا کہ یہ سب کچھ دھوکے کا سامان ہے۔جبکہ آخرت کی نعمتیں دائمی ہیں گویا کہنا یہ چاہتے ہیں کہ دنیا مٹی گارے سے بنی اور فانی ہے جبکہ جنت سونے چاندی سے بنی اور باقی رہنے والی ہے۔پس عقلمند آدمی کو چاہیے کہ

آخرت کو دنیا کی خاطر برباد نہ کرے

(8) موت کی سختی کا بیان:

ارشاد باری تعالٰی ہے:

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَo وَقِيْلَ مَنْ سکۃ رَاقٍo وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُo وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِo اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۨ الْمَسَاقُ(o القیامة : ع1)

[ہرگز ایسا نہیں جب جان ہنسلی تک پہنچ گئی اور سب کہنے لگے کون ہے جھاڑ پھونک کرنے والا اور مرنے والے نے بھی سمجھ لیا کہ اب جدائی ہے اور رپنڈلی سے پنڈلی لپٹنے لگی تو (جان لے) یہی وقت ہے پروردگار کے پاس جانے کا]

جب جان ہنسلی تک آجاتی ہے اور سب تیماردار طبیب کی راہ تک رہے ہوتے ہیں مگر مرنے والی کو جدائی کا یقین ہو چکا ہوتا ہے اور سکرات موت کی گھبراہٹ وتشنج کی وجہ سے پنڈلیاں باہم لپٹ جاتی ہیں۔بلاغت الفاظ نے عالم سکرات کا نقشہ کھینچ دیا۔مزے کی بات یہ ہے کہ آیت میں سکتہ اس طرح لایا گیا ہے پڑھنے والا ہی جلال باری تعالٰی کی وجہ سے سکتے میں آجاتا ہے۔

(9) مرگ ظالم کا بیان:

ارشاد باری تعالٰی ہے:

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰۤئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ (الانعام ع : 11)

[کاش تم اس وقت کو دیکھتے کہ جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں پڑے ہوں اور فرشتے ہاتھ پھیلائے ہوں کہ نکالو اپنی جانوں کو۔ آج تمہیں سخت عذاب ملے گا اس لئے کہ تم اللہ تعالیٰ کے متعلق ناحق باتیں کہتے تھے اور اس کی آیات سے تکبر کرتے تھے]

اس آیت کو پڑھتے ہی ملائکہ موت کی تصویر ذہن میں گھوم جاتی ہے۔ پھر فرشتوں کا ہاتھ پھیلا کر کہنا کہ نکالو اپنی جانوں کو یہ کس قدر موثر بیان ہے۔ ولو تری کے الفاظ سے اس عذاب کی لامحدودیت کا پتہ چلتا ہے۔

10 خصائل انسانی کا بیان:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝

[بے شک انسان دل کا کچا ہے جب تکلیف پہنچتی ہے تو جزع فزع کرتا ہے جب خیر ملتی ہے بخیل بن جاتا ہے]

یہ بیان چھوٹی تین مقفی آیات پر مشتمل ہے۔ پہلی آیت میں دعویٰ دوسری میں دو دلائل ہیں مگر جامعیت اتنی ہے کہ انسان کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اس اختصار کے باوجود سجع کی رعایت اور صنائع لفظی و معنوی کا لحاظ معجزہ نہیں تو اور کیا ہے دنیا کے اہل قلم کیلئے صلائے عام ہے کہ بارہ الفاظ میں انسان کی حقیقت کو بیان کر کے دکھائیں۔

11 خوف و ہراس کا بیان:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝ (الحج: ع ۱)

[اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔ یاد رکھو کہ قیامت کا زلزلہ بہت بڑا حادثہ ہے جس دن تم دیکھو گے دودھ پلانے والیاں اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائیں گی اور حاملہ اپنے حمل کو گرا بیٹھے گی اور تم لوگوں کو بے ہوشی کے عالم میں پاؤ گے مگر وہ بے ہوش نہیں ہوں گے اور لیکن اللہ کا عذاب سخت ہے]

ماں کی اولاد کے ساتھ محبت مسلم ہے وہ ماحول کتنا ہولناک ہوگا کہ ماں اپنے بچے کو بھول جائے گی۔ قیامت کے دن کی شدت کو بیان کرنے کیلئے یہی کافی تھا مگر حاملہ کا حمل گرا بیٹھنا تو سخت ترین آفت ناگہانی کی دلیل ہے۔ خوف و ہراس کی نقشہ کشی کیلئے اتنا بیان کافی تھا مگر علیم و خبیر پروردگار نے فرمایا کہ سب لوگ بے ہوشی کے عالم میں ہوں گے حالانکہ وہ بے ہوش نہیں ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ ان کا یہ حال ان کی بدحواسی کی وجہ سے ہوگا خوف و ہراس کا اس طرح نقشہ کھینچنا قرآن مجید کا اعجاز ہے۔

12 ہنگامہ آرائی کا بیان:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَإِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۝ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيْهِ ۝ وَأُمِّهٖ وَأَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيْهِ ۝ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ

oضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ oوَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ oتَرْهَقُهَا قَتَرَةٌoاُوْلٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُo (عبس : 33,42)

[جب کانوں کو بہرا کر دینے والا شور قیامت بپا ہوگا اس دن آدمی اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا ہر شخص کو اپنی فکر لگی ہوگی اس دن بہت سے چہرے روشن، خوش اور شاداں ہوں گے اور بہت سے چہرے غبار آلود ہوں گے جن پر سیاہی چھائی ہوگی یہی لوگ کافر نافرمان ہوں گے]

روز محشر کی گھبراہٹ کا یہ عالم کہ انسان اپنے عزیز ترین رشتہ داروں کو چھوڑ کر بھاگ جائیگا نفسانفسی کا یہ عالم کے اپنے سوا کسی کی فکر نہ ہو پھر اس ہنگامہ کے وقت کچھ چہروں کا تروتازہ اور روشن ہونا جبکہ کچھ چہروں کا غبار آلود اور سیاہ ہونا منظر کو اس طرح واضح کر رہا ہے کہ جیسے سب کچھ آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہو۔

13 حسین بیان کی انمول مثال:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ oمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌo (الحج : 43,44)

[اے لوگو! ایک مثال بیان کی گئی ہے پس اس کو غور سے سنو۔ بے شک وہ لوگ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اگر وہ سب ایک مکھی کو پیدا کرنے کیلئے اکٹھے ہو جائیں تو اس کو بھی (پیدا) نہیں کر سکتے۔ اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اس (چیز) کو اس سے نہیں چھڑا سکتے۔ طالب اور مطلوب (دونوں) کمزور ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس طرح قدر نہیں کی جس طرح کہ اس کی قدر کرنے کا حق تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا غالب ہے]

مندرجہ بالا آیات میں ایک مثال کے ذریعے مشرکین اور ان کے جھوٹے معبودوں کی خوب مٹی پلید کی گئی ہے۔ رب کائنات کتنے شاہانہ انداز میں فرماتے ہیں کہ مشرکین اور ان کے معبود سب بودے اور ضعیف ہیں۔ ساتھ یہ بھی بتا دیا گیا کہ انسانوں نے اللہ تعالیٰ کی اتنی قدر نہیں کی جتنی کرنی چاہیے تھی۔

14 حسن موعظت کی مثال:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِيْتَاۤئِ ذِی الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۤءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (النحل 90)

[بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے اور رشتہ داروں کو دینے کا اور منع کرتا ہے بے حیائی اور برے کاموں اور سرکشی سے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو]

اس ایک آیت میں انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنے کے سنہری اصول بتا دیئے گئے ہیں۔ یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ ایک فقرے میں اتنا کچھ بتا دیا گیا ہے جس کی تفصیل کرنے کیلئے کتاب کے کئی ابواب لکھنے پڑتے ہیں۔

15 حسن بیان کی مزید مثالیں:

حسن بیان کی چند اور مثالیں درج ذیل ہیں۔ طلباء کرام ان کے محاسن لفظی و معنوی پر غور کر کے حظ اٹھا سکتے ہیں

◉ لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیا:22)

[اگر ہوتے زمین و آسمان میں اور معبود سوائے اللہ کے تو دونوں خراب ہوتے]

کسی محکمے میں دو افسر ایک اختیار رکھتے ہوں تو نظام نہیں چل سکتا اسی طرح اگر دو اللہ ہوتے تو نظام کائنات کیسے چل سکتا تھا؟ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر کس قدر ٹھوس دلیل ہے۔

◉ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ O اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الملک : 13,14)

[اور تم چھپا کر کہو اپنی بات یا کھول کر وہ خوب جانتا ہے سینوں کی باتوں کو۔ کیا وہ نہ جانے جس نے بنایا اور وہی باریک بین خبر رکھنے والا ہے]

اس آیت کریمہ میں انسان کو سمجھایا کہ ہر بات سوچ سمجھ کر کرو تم سمجھتے ہو کہ ہماری سرگوشیوں کو کوئی نہیں سنتا اپنی سازش کو پوشیدہ رکھنا کامیابی سمجھتے ہو یاد رکھو اللہ تعالیٰ تو دلوں کے بھید سے بھی واقف ہے۔ اس دلیل کے بعد دوسرے انداز میں سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ تو خالق ہے اور خالق مخلوق سے کس طرح بے خبر رہ سکتا ہے

◉ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (النحل:96)

[جو تمہارے پاس ہے وہ فانی ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے]

دنیا مٹی گارے سے بنی اور فنا ہونے والی ہے جبکہ جنت سونے چاندی سے بنی اور باقی رہنے والی ہے زور بیان کے کیا کہنے۔

◉ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ O وَتَرٰهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ (شوری:44,45)

[اور تو دیکھے گا ظالموں کو جب وہ عذاب دیکھیں گے کہیں گے کیا کوئی واپسی کا راستہ ہے اور تو دیکھے گا ان کو آگ کے سامنے لائے جائیں گے ذلت سے آنکھیں جھکاتے ہوں گے دیکھتے ہوں گے چھپی نگاہ سے]

◉ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِى النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (حم السجدہ : 40)

[آیا جو ڈالا جائے گا آگ میں وہ بہتر ہے یا جو آئے گا امن سے قیامت کے دن، کرو جو چاہتے ہو بے شک جو تم کرتے ہو وہ دیکھتا ہے]

◉ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِىْ جَنْۢبِ اللّٰهِ (الزمر:56)

(کہنے لگے کوئی، ہائے افسوس اس بات پر کہ میں کوتاہی کرتا رہا اللہ کی طرف)

◉ اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ (الزخرف : 67)

[سب دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے متقی لوگوں کے]

◉ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (الانعام : 48)

[اور اگر بھیجے جائیں تو پھر بھی وہی کام کریں گے جس سے روکے گئے تھے]

اس میں اس بات کو بیان کر دیا کہ یہ لوگ حق سے اتنے دور کہ ان کی فطرت اور طبیعت ہی میں حق سے دوری ہے اگر حق کو قبول کرنے والے ہوتے تو دنیا میں مختلف نشانیوں کو دیکھ کر مان لیتے۔

◉ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ (الزخرف : 39)

[اور تمہیں ہرگز نفع نہ دے گا جب تم ظلم کر چکے کہ تم عذاب میں باہم شریک ہو]

◉ هُوَالَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا

[وہی ہے جس نے بنایا پانی سے انسان کو اور بنایا اس کیلئے نسب اور سسرال اور تیرا رب سب کچھ کر سکتا ہے]

مندرجہ بالا مثالوں سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کا میدان لامحدود ہے۔ تاہم یہ نقطہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ بعض ایسے امور ہیں جو ظاہراً فصاحت میں کمی کا باعث بن سکتے تھے مگر قرآن مجید کے راستے میں وہ بھی رکاوٹ نہ بن سکے

امور مانع فصاحت

① سب سے اول درجے پر التزام صدق ہے۔ سچی بات کو جھوٹ کی آمیزش کئے بغیر جچے تلے سنجیدہ سانچے میں ڈھلے ہوئے الفاظ میں بیان کرنا بہت مشکل کام ہے۔ شعراء کا کہنا ہے کہ اگر جھوٹ چھوڑ دیا جائے تو کلام میں شیرینی پیدا کرنی ممکن نہیں رہتی۔ مضمون روکھا پھیکا رہ جاتا ہے۔ کلام میں چاشنی پیدا کرنے کیلئے التباس حق و باطل کرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لبید ابن ربیعہ اور حسان بن

ثابتؓ جیسے بلند پایہ شعراء جب مسلمان ہو گئے اور سچ بولنے کی پابندی کرنے لگے تو ان کا کلام فصاحت و بلاغت کے پہلے درجے سے گر گیا۔ تخیل کی نزاکت مضامین کی روانی اور خیالات کی بلند پروازی کا تقاضا یہ ہے کہ مبالغے سے کام لیا جائے اس کے بغیر مضمون دل فریب اور کلام چٹپٹا نہیں بن سکتا۔ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ صداقت کا التزام رکھتے ہوئے خشک مضامین میں بھی لطف اور مٹھاس پیدا کر دی گئی ہے۔ کڑوی کڑوی بات کو میٹھے میٹھے انداز میں بیان کر دینا قرآن ہی کی شان ہے۔ قرآن مجید پند و نصائح، زجر و توبیخ اور اوامر و نواہی کے مضامین سے پر ہے ایسے غیر دلچسپ مضامین میں قرآن مجید نے وہ سوز و گداز بھر دیا ہے جو کانوں کے پردوں سے قلب میں گھس جاتا ہے اور سچ کی طاقت سننے والے کو مبہوت کر دیتی ہے اسی قوت جاذبہ کا اثر تھا کہ مشرکین مکہ دن کی روشنی میں قرآن مجید کی مخالفت کرنے کے باوجود رات کی تاریکی میں چھپ چھپ کر قرآن سنتے تھے لیکن محض ضد کی وجہ سے کہتے تھے

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ

[یہ قرآن ایک پراثر جادو ہے]

② قرآن مجید کے مضامین عقائد و اعمال و معاملات ہیں۔ قرآن مجید نے عقیدہ اور قانون کو اتنا واضح اور مکمل صورت میں پیش کیا کہ کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں رہنے دی۔ ہر قانون کو قطعی اور ہر فیصلے کو ناطق انداز میں بیان کیا۔ ان ابواب و فصول پر مشتمل کلام میں علوم معانی و بدیع و بیان کے رنگ بھر کر قوس قزح کی مانند خوبصورت بنا دینا قرآن مجید کا ہی اعجاز ہے۔

③ قرآن مجید میں اکثر باتوں کو تکرار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ایک بات کو

مکرر بیان کیا جائے تو دونوں میں فصاحت و بلاغت کی یکسانیت کو برقرار رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ قرآن مجید کا اعجاز دیکھئے کہ ایک ہی بات کو متعدد بار بیان کیا مگر ہر بار ایک نئے حسن وخوبی کے ساتھ کہ پڑھنے والا ہر دفعہ نیا لطف اور نیا مزا حاصل کرتا رہے۔

(4) عربی زبان میں روزمرہ کے دنیاوی کاروبار سے متعلق فصیح و بلیغ الفاظ و فقرات کا ذخیرہ بہت وسیع تھا مگر مبدا و معاد کے بارے میں دائرہ بہت محدود تھا۔ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ مبدا، معاش و معاد سے متعلقہ مضامین کو موزوں اور چست الفاظ میں بیان کیا اور فصاحت و بلاغت کے دریا بہادیے یہ اس بات کا ٹھوس ثبوت ہے کہ یہ کلام کسی انسان کا نہیں ہے۔

باب 5

عجائبات القرآن

قرآن مجید کے ادبی اسرار و رموز کو سمجھنے کیلئے درج ذیل تین علوم کا جاننا ضروری ہے۔

1 علم معانی:

لفظ معانی معنی کی جمع ہے اس کے لغوی معنی مقصود و مراد کے ہوتے ہیں اپنے خیالات کو الفاظ کے قالب میں ڈھال دینا بہت آسان ہے لیکن اپنے کلام کو حال و مقام کے اس طرح مطابق بنا دیا جائے کہ مدعائے کلام ادا ہو جائے بہت مشکل ہے اور اس کو علم معانی کہتے ہیں۔

2 علم بیان:

بیان کے لغوی معانی کھولنے اور واضح کرنے کے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں اس علم کو کہتے ہیں کہ جس سے کلام دل نشیں ہو جائے اس کے معنی و مطلب صاف اور واضح ہو جائیں

③ علم بدیع:

علم بدیع اس علم کو کہتے ہیں جس سے کلام کو مزین کرنے کے طریقے اور اس میں حسن و خوبی پیدا کرنے کے قاعدے معلوم ہو جائیں۔علم معانی و بیان کو فصاحت و بلاغت بھی کہتے ہیں اس کا تعلق داخل سے ہے جبکہ علم بدیع کا تعلق تحسین وتزئین خارجی سے ہے۔جس کلام میں فصاحت و بلاغت موجود ہے اس کی مثال اس حسینہ کی سی ہے جو حسن و جمال میں اپنی مثال آپ ہے اگر کلام میں علم بدیع بھی موجود ہے تو اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے اس حسینہ کو خوبصورت زیورات ولباس پہنا کر دلہن بنا دیا گیا ہے۔

قرآن مجید کی ہر ہر آیت سجی سجائی خوبصورت اور خوب سیرت دلہن کی مانند ہے۔علمائے امت قیامت تک اس کے حسن و جمال کی تعریفیں کرتے رہیں گے۔

ذیل میں علم معانی و بیان و بدیع کی روشنی میں چند آیات کے داخلی و خارجی محاسن مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں تا کہ علوم عربیہ کے طلباء عجائبات قرآن کا اندازہ لگا سکیں

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

① ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى Oوَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى O (اللیل:1,2)

(قسم ہے رات کی جب وہ چھپا لے اور قسم ہے اس دن کی جب وہ ظاہر کر دے)

ان آیات میں دو بڑی صنعتیں ہیں یغشی اور تجلی میں سجع ہے جبکہ لیل و نہار میں صنعت تضاد ہے۔

② ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا Oوَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا Oوَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا Oوَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا O

(قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی اور چاند کی جب اس کو روشن کر دے اور رات کو جب اس کو ڈھانپ لے)

الفاظ: شمس، ضحی، قمر، نہار، جلی، لیل یغشی میں صنعت مراعاۃ النظیر ہے (امور متناسبہ جمع ہیں)

الفاظ: ضُحٰهَا، تَلٰهَا، جَلّٰهَا، يَغْشٰهَا میں سجع ہے۔

الفاظ: شمس و قمر اور لیل و نہار میں صنعت مطابقت ہے پس اس کلام میں تین بڑی صنعتیں پائی گئیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

③ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ Oوَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيْهِ (عبس: 34)

(جس دن آدمی اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا)

الفاظ: مرء. ام. اب، اخ، بنین میں مراعاۃ ہے

الفاظ: اخیہ، ابیہ، بنیہ میں سجع ملحوظ ہے

الفاظ: اخیہ اور ابیہ میں صنعت تجنیس لاحق ہے

الفاظ: اخ۔ام وغیرہ میں تقسیم بالاستیفاء بھی ہے۔

پس ان آیات میں چار بڑی صنعتیں ظاہر ہیں۔

④ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقِيْلَ يٰاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ O (ھود : 44)

ترجمہ: (حکم ہوا کہ اے زمین! اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان! تھم جا اور پانی کم ہو گیا اور جو ہونا تھا ہو گیا اور کشتی جودی پر آ ٹھہری اور کہہ دیا گیا ظالم لوگ رحمت سے دور ہوں)

اس آیت کی تفسیری امور سے قطع نظر اس جگہ صرف محاسن بیان و بدیع پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ مخالفین اور معاندین بھی اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی بشر بھی ایسا جامع و بلیغ کلام پیش نہیں کر سکتا طلباء کی آسانی کیلئے صرف چند محاسن کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

◎ ابلعی اور اقلعی میں تجنیس لاحق ہے۔

◎ ابلعی اور اقلعی میں رعایت سجع ہے۔

◎ بلع اور قلع میں استعارہ ہے۔

◎ ارض اور سماء میں صنعت مطابقت ہے۔

◎ السماء بمعنی مطر یا سحاب مجاز مرسل ہے۔

◎ غیض الماء میں اشارہ ہے۔ اشارہ اس کو کہتے ہیں کہ ایک لفظ میں بہت سی باتیں سمٹ جائیں۔ چنانچہ لفظ غیض ایسا ہے کہ کم ہونے، نگل لینے اور پانی چوس لینے وغیرہ کے معانی میں آتا ہے یہاں اس لفظ سے بارش کا تھم جانا اور زمین کا پانی جذب کر لینا دونوں مقصود ہیں۔

◎ قضی الامر میں تمثیل ہے یہ کہا گیا کہ جو ہونا تھا سو ہو گیا مقصد یہ کہ ہلاک

ہونے والے ہلاک ہو گئے نجات پانے والے نجات پا گئے۔

◎ استوت علی الجودی عربی زبان میں استواء کے معنی ہوتے ہیں، برابر جا لگنا اس کی بجائے یہاں اسقرت کا لفظ بھی استعمال ہو سکتا تھا مگر استوت نے معانی و مفہوم ادا کرنے کا حق ادا کر دیا اس میں صنعت ارداف ہے۔

◎ غیض الماء استوت کی علت ہے لہٰذا اس میں تعلیل بھی ہے۔

◎ یا رض ابلعی ماء ک و یا سماء اقلعی میں تقسیم باستیفائے اقسام بھی ہے۔

◎ وقیل بعد اللقوم الظلمین میں احتراس ہے فقط ظالمین ہی موجب عذاب ہوئے۔

◎ اس تمام آیت کی عبارت سلیس ہے لہٰذا اس میں صنعت انسجام بھی ہے۔

◎ اس آیت کا ہر لفظ اپنے معنی پر ہی دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا اس میں صنعت ائتلاف اللفظ مع المعنیٰ بھی ہے۔

◎ اس آیت میں قصہ کو خوبی سے بیان کیا گیا لہٰذا صنعت حسن نسق بھی ہے۔

◎ اس آیت میں امر و نہی خبر و ندا تعریف و تنکیر، اہلاک و ابقاء، اسعاد و اشقاء وغیرہ کا ذکر سمو گیا ہے۔ لہٰذا اس کا ایجاز حد کمال کو پہنچا ہوا ہے۔

◎ اس کی شروع آیت اس کے آخر پر دلالت کرتی ہے لہٰذا اس میں تسہیم بھی ہے۔

◎ اس کے تمام الفاظ سہل المخارج ہیں لہٰذا اس میں تہذیب الفاظ بھی ہے۔

◎ پڑھنے والے کیلئے اس کا مطلب سمجھنا مشکل نہیں لہٰذا اس میں حسن بیان بھی

ہے۔

◎ اسمیں کنایہ بھی ہے کہ کوئی تصریح نہیں کی نہ پانی بند کیا، کام تمام، کشتی کنارے لگائی۔

◎ فواصل فقرات نہایت موزوں اور برمحل ہیں لہٰذا اس میں تمکین بھی ہے فقط 17 الفاظ کی بیس خوبیاں تو مندرجہ بالا ہیں فضلاء نے اس آیت میں **150** محاسن بیان کئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن عظیم الشان فصاحت و بلاغت اور معانی و بدیع کا بحر ناپید کنار ہے۔ پس سب تعریفیں اس اللہ رب العزت کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

معارف ولطائف

مندرجہ بالا آیت کو علم بیان، علم معانی، فصاحت لفظی اور فصاحت معنوی کی نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ چاروں محاسن اس آیت میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ ذیل میں اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

① علم بیان کی رو سے:

علم بیان کی رو سے دیکھا جائے تو اس آیت میں مجاز و استعارہ و کنایہ اور ان کی متعلقات علی وجہ الکمال موجود ہیں پروردگار عالم کے فرمان کا مقصود یہ ہے کہ

"اور ہم نے یہ چاہا کہ جو پانی زمین سے ابلا تھا اسے جوف زمین میں پھر داخل کر دیا جائے چنانچہ وہ داخل ہو گیا آسمان سے جو طوفان آب جاری ہوا تھا وہ بند ہو جائے۔ چنانچہ وہ بند ہو گیا۔ پانی کا جو سیلاب بہہ نکلا تھا وہ تھم جائے چنانچہ وہ تھم گیا۔ نوح علیہ اسلام سے جو وعدہ ہم نے کیا تھا وہ پورا ہو جائے چنانچہ وہ پورا ہو گیا۔ وعدہ یہ تھا کہ ان کی تمام قوم کو غرق آب کر دیا جائے وہ غرق ہو گئی اور یہ بھی ہم نے چاہا تھا کہ کشتی جودی پہاڑ پر جا لگے سو وہ جا لگی اور ظالم ڈوب کر رہ گئے"

اس آیت کے 17 الفاظ نے اس قدر وسیع مضمون کو اپنے اندر سمو لیا ہے مشیت الٰہی کو ایسے امور سے تشبیہ دی گئی ہے جس سے اس کی عظمت و اقتدار کا نقشہ کھنچ جائے اور یہ اچھی طرح واضح ہو جائے کہ آسمان و زمین اور تمام اجرام فلکی اس کے ارادے اور مشیت کے تابع ہیں۔ گویا یہ اجرام ارباب عقول ہیں اور وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا اور اس کے اشارے پر چلنا ان پر فرض ہے۔ وہ منشائے الٰہی کو ہر وقت پورا کرتے ہیں اور اس کے کمال اقتدار کا استحضار رکھتے ہیں جس بات کے لئے اس کا اشارہ ہوا وہ شے موجود کر دی اور جوں ہی اس کا حکم ہوا اس کی تعمیل کر دی اس کے حکم پر عمل کئے بغیر اور اس کا اشارہ پورا کئے بغیر نہیں رہتے اشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقِيْلَ يٰاَرْضُ ابْلَعِىْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِىْ میں مجاز و استعارہ ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اسی اصول پر اس کلام بالا کی بنیاد ہے۔

مجاز:

اس آیت میں لفظ قیل بر سبیل مجاز واقع ہوا ہے جس سے مراد اس کی مشیت ہے اور یہی اس قول کا سبب ہے یہاں پر مجاز کا قرینہ خطاب بالجماد ہے یعنی یا ارض و یا سماء فرمانا۔ ماء ک بترکیب اضافی ذکر فرمانا بھی بر سبیل مجاز

ہے اس میں پانی کو زمین سے متصل ہونے میں وہی تعلق ہے جو ملک کو مالک سے ہوتا ہے۔

استعارہ:

آسمان و زمین سے خطاب فرمانا بطور استعارہ بھی ہے کیونکہ ان اجرام کو ارباب عقول سے مشابہت دی گی ہے پھر پانی جذب کر لینے کو لفظ ھلع سے استعارہ کیا ہے جس کے معنی غذا کو نگل لینے کے ہیں اس میں وجہ جامع ''کسی چیز کا ایک مخفی جگہ پر چلا جانا ہے'' پانی کو غذا فرض کرنا بطریق استعارہ بالکنایہ ہے۔ پانی کو غذا سے قدرتی مشابہت ہے جس طرح پانی زمین کو قوت پہنچاتا اور کھیتوں، درختوں کو اگاتا اور بڑھاتا ہے اسی طرح خوراک بھی جسم کو تقویت دیتی اور نشو نما عطا کرتی ہے۔

اس آیت میں بارش کے بند ہونے کے کیلئے لفظ اقلاع اختیار فرمایا جس کے معنی ہیں کام کرنے والے کا کام چھوڑ دینا ابلعی اور اقلعی میں وجہ تشبیہ کسی کام کا معدوم ہو جانا ہے، اس میں بھی امر بطریق استعارہ ہے۔

کنایہ:

ارشاد باری تعالی ہے:

وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

میں یہ تصریح کہیں نہیں فرمائی گئی کہ اس پانی کو کس نے بند کیا۔ کس نے کام پورا کیا کس نے کشتی کو کنارے لگایا۔ بعدا کس نے کہا۔ اس طرح یا ارض و یا سماء کہنے والے کا نام نہیں لیا گیا اس سے یہ کنایہ ہے کہ سب بڑی بڑی باتیں بجز ایک ایسے صاحب قدرت عظیمہ کے جو سب سے بڑا ہو اور کسی کے اختیار میں نہیں ہے اس واسطے یہ وہم ہرگز نہیں ہو سکتا کہ یا ارض و یا سماء کہنے والا طوفان آب کو روکنے والا اور کشتی کو کنارے پر لگانے والا پروردگار عالم کے سوا کوئی اور ہو سکتا ہے۔

اسکے بعد کلام کو تعریض پر ختم فرمایا تا کہ لوگوں کو تنبیہ ہو کہ رسولوں کی تکذیب کرنے والے خود اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسولوں کی تکذیب عذاب الہی کا موجب ہے طوفان کا نازل ہونا اور اس ہیبت ناک عذاب کا آنا صرف ان کے ظلم کا نتیجہ ہے۔

② علم معانی کی رو سے:

اب اس آیت مبارکہ کو علم معانی کی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس آیت کے ہر لفظ پر غور کیا جائے اور دیکھا جائے کہ ان کی تقدیم و تاخیر کن مصالح کی بنا پر ہے۔

کلمات کی ترتیب کے محاسن:

یا۔ اس آیت میں حروف ندا میں سے لفظ یا کو اختیار فرمایا ہے۔ ایک تو یہ لفظ کثیر الاستعمال ہے دوسرے یہ منادیٰ بعید کے لئے استعمال ہوتا ہے منادیٰ کا بعید ہونا شان رب العزت اور اس کی عظمت و شوکت کے عین مطابق ہے۔ جب کہ منادیٰ کی پستی وحقارت پر دال ہے۔

ارض:

یہاں پر ارض کو کسرہ کے ساتھ نہیں لایا گیا تا کہ حقارت منادیٰ ظاہر ہو۔

یہاں پر یا ایتھا الارض بھی نہیں فرمایا اختصار مدنظر تھا اس کے علاوہ اس میں تکلف تنبیہ تھا جس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ زمین کے لئے تمام الفاظ میں سے ارض کا لفظ اختیار کیا چونکہ نہایت سادہ اور سلیس لفظ ہے۔

ابلعی:

اس آیت میں اختصار کی وجہ سے ابتلعی کی بجائے ابلعی کا لفظ استعمال فرمایا۔

ماء ک:

اس میں لفظ مـــاء کو مفرد لانے کی وجہ بھی یہی ہے کہ کثرت کا اظہار اللہ کی کبریائی کے مقابلے میں ناموزوں ہے مزید برآں یہاں ابلعی کے مفعول مـاء کا ذکر کر دیا گیا تا کہ عموم ابلاع میں پہاڑ اور ٹیلے دریا اور پانی کے تمام جاندار اس میں شامل نہ ہو جائیں۔

یا سماء:

زمین کے لئے لفظ ارض کی مطابقت کی وجہ سے آسمان کے لئے لفظ سماء کا استعمال کیا۔ سـمـاء کا لفظ بادلوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ والسمـاء یحتمل الفلک والسحاب وجھة العلو (سماء کا لفظ آسمان، بادل اور اوپر کی سمت کیلئے مستعمل ہے)

(تفسیر بیضاوی 244)

یہاں پر زمین و آسمان کو مفرد کے صیغے میں لایا گیا ہے کیونکہ جمع میں کثرت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور یہ اللہ کی کبریائی کے مقابلے میں ناموزوں تھا۔

اقلعی:

اس کو ابلعی کے ساتھ تجنیس خطی حاصل ہے یہاں پر کلام کو ختم فردیا تا کہ حشو غیر ضروری سے احتراز ہو ورنہ تقدیر کلام یوں بنتی ہے یا ارض ابلعی ماء ک فبلغت و یاسماء اقلعی فاقلعت.

غیض:

یہاں پر غیض مشدد لانے کی بجائے غیض مخفف بوجہ اختصار لایا گیا۔

ماء:

طوفان کا پانی کہنے کی بجائے فقط پانی کہنے پر اکتفا کیا گیا۔

قضی الامر:

اتنا فرمایا کہ بات پوری ہو گئی اگر تقدیر کلام کو دیکھا جائے تو یوں کہنا چاہیے کہ وہ وعدہ جو نوح سے تباہ کرنے کے متعلق کیا گیا تھا وہ پورا ہو گیا۔ مگر اختصار کو پسند کیا گیا۔

واستوت علی الجودی:

یہاں پر واستـــوت بصیغہ معروف استعمال ہوا ہے۔ چونکہ قول سابق میں تجری بھم فی موج میں بھی کشتی فاعل تھی فعل معروف آیا تھا اس کے علاوہ ہر جگہ مجہول کا صیغہ اختصار کی وجہ سے لائے مثلاً قیل غیض

بعدا للقوم:

یہاں پر بعد کی بجائے بعدا کا لفظ اختصار کی وجہ سے لایا گیا۔ پھر اس میں تاکید بھی ہے۔ بعدا کے بعد لام کے آنے میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے ظالمین پھٹکار کے مستحق ہوئے۔

الظلمین:

ظلم کو مطلق لانے میں یہ فائدہ ہے کہ اس میں ظلم برنفس سمیت تمام اقسام ظلم شامل ہوگئیں۔ یہ بھی واضح ہوگیا کہ رسولوں کی تکذیب نہایت قبیح امر ہے۔

جملوں کی ترتیب کے محاسن:

1. اس آیت مبارکہ میں ندا کو امر پر مقدم کیا گیا ہے چنانچہ یہ نہیں کہا گیا

ابلعی یا ارض واقلعی یا سماء

اس میں حکمت یہ تھی کہ پروردگار عالم نے باقتضائے امر لازمی کلام کو جاری فرمایا اور وہ امر لازمی یہ ہے کہ اولاً مامور حقیقی کو تنبیہ فرمائی جائے تاکہ منادی کے ذہن میں امر مامور بہ خوب جاگزیں ہو جائے۔ یہ پیرایہ بیان بطور ترشیح کے ہے۔

2. ارض کو سماء پر مقدم کرنے کی وجہ یہ تھی کہ طوفان پہلے زمین سے ہی شروع ہوا تھا لہٰذا زمین کی حیثیت اس قصہ میں اصل کی ہوئی اور اصل کا تقدم ہی زیادہ مناسب ہوتا ہے۔

3. اس کے بعد غیض الماء کا تذکرہ کیا چونکہ یہ بھی پانی کے قصے کے ساتھ متصل ہے۔

تقدیر کلام:

تقدیر کلام یوں ہوئی۔

قیل یا ارض ابلعی ماءک فبلعت ماءھا ویاسماء اقلعی عن ارسال الماء فاقلعت عن ارسالہ وغیض الماء النازل فانغاض

4. اس کے بعد مقصود کلام یعنی قضی الامر کو لایا گیا یعنی کفار کے ہلاک ہونے اور قوم نوح اور ان کے ہمراہیوں کو نجات دینے کا وعدہ پورا ہوگیا۔

5. پھر آخر میں واستوت علی الجودی کو لایا گیا یعنی کشتی جودی پر جا لگی۔

6. آخر میں ظالموں پر پھٹکار کے الفاظ سے نتیجہ نکال دیا گیا اس تمام تفصیل سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ آیت مبارکہ کا ایک ایک کلمہ اس طرح پرو دیا گیا ہے جس طرح ہیرے موتی کو ایک مالا میں پرو دیا جاتا ہے۔ پس یہ کلام الٰہی محاسن بلاغت کا انمول نمونہ ہے۔

3 فصاحت معنوی:

اس آیت مبارکہ میں نظم معانی انتہائی لطیف ہے۔ گو کہ حد درجہ اختصار سے کام لیا گیا ہے مگر اس کے باوجود مطلب کے سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ بلکہ آیت مبارکہ کے سنتے ہی یوں محسوس ہوتا ہے کہ الفاظ معانی پر اور معانی الفاظ پر سبقت کرتے ہیں اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ الفاظ مانوس اور معانی ظاہر ہیں کوئی لفظ ایسا نہیں کہ کان اس لفظ کو سنیں اور اس کا مطلب فوراً دل نشیں نہ ہو جائے۔

4 فصاحت لفظی:

اس آیت مبارکہ کے الفاظ پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام کے تمام الفاظ روزمرہ کے استعمال میں آتے ہیں سب الفاظ چست، مانوس اور اصول وقواعد کے مطابق ہیں۔ شیریں اور دل پسند ہیں غیر مانوسیت کا شائبہ بھی نہیں روانی اور سلاست میں پانی کی مانند۔ لطافت و نظامت میں نسیم صبح کی مانند اور لذت و شیرینی میں خالص شہد کی مانند ہے۔ قرآن مجید کی بلندی شان پر قربان جائیں کہ فقط سترہ الفاظ میں لطائف و معارف کے دریا بہا دیئے۔ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ایک آیت کو علم بیان۔ علم معانی فصاحت لفظی اور فصاحت معنوی کی کسوٹی پر پرکھا گیا تو کندن کی طرح چمکتی ہوئی نظر آئی۔ یہ قرآنی اعجاز کی بین دلیل ہے کہ ایک کتاب تمام علوم پر حاوی ہے۔ جس علم کو سامنے رکھا جائے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا موضوع ہی یہی علم ہے۔ پس سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

باب 6

قرآن مجید اور علم عروض

اصطلاح میں شعر ایسے موزوں کلام کو کہتے ہیں جو متکلم سے قصداً ظاہر ہو۔ خلیل بن احمد اس فن کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے ردیف قافیہ کی رعائت کیلئے پندرہ بحریں ترتیب دیں۔ شکسپیئر نے انگریزی میں بلینک ورس کی بنیاد ڈالی جس میں نہ قافیے کی رعائت نہ ردیف کا جھگڑا اور نہ ہی وزن کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اردو زبان کے شعراء نے بھی اسی بنا پر ''آزاد شاعری'' کو اپنایا۔ بنگال کے مشہور شاعر ٹیگور کے اشعار کا رنگ بھی یہی ہے۔ مولانا حالی نے اپنی کتاب ''مقدمہ شعرو شاعری'' میں واضح کیا ہے کہ شاعری تخیلات کو محسوسات کا جامہ پہنانے کا دوسرا نام ہے اسی کو جذبات کی مصوری کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں شعراء کے متعلق کہا گیا ہے

"وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ O اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ کُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ O وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ O (الشعراء ع 11)

{ شعراء کی بے راہ پیروی کرتے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ لوگ (کس طرح) ہر میدان (تخیل) میں (تلاش مضمون کیلئے کس طرح

ٹکریں مارتے) یعنی حیران پھرتے ہیں اور ان کا قول فعل کے خلاف ہوتا ہے }

شعراء کی افسانہ طرازیاں ۔ رزم بزم کے حالات ۔ جذبات کی عکس بندی وغیرہ اکثر خیالی باتیں ہوتی ہیں سچی باتیں کم ہوتی ہیں ۔ شعراء کے نزدیک حسن تخیل یہ ہے کہ جھوٹی سچی خیالی باتیں اس طرح بیان کر دی جائیں کہ سامعین لطف اندوز ہوں ۔ حسن تخیل اور حسن بیان میں بہت فرق ہے حسن تخیل من گھڑت باتوں کی مصوری کا دوسرا نام ہے ۔ جبکہ حسن بیان امور واقعی کو احسن طریقے سے بیان کرنے کو کہتے ہیں ۔ صاحب بیان القرآن نے شعراء اور قرآن میں یہی فرق بتایا ہے کہ وہ متخیل غیر متحقق ہے اور یہ محقق غیر متخیل ہے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔

"وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ" (یٰسین ع 5)

{ اپنے پیغمبر کو ہم نے شاعری نہیں سکھائی نہ ہی وہ ان کے شایان شان ہے }

چونکہ خیالی باتوں کی مصوری منصب نبوت کے خلاف تھی اس لئے ان کو شاعری نہ سکھائی گئی ان کی باتیں تو عین حقائق تھیں ۔ خیالات باطل کیلئے وہاں رسائی ممکن نہ تھی ۔ اسی وجہ سے جو شعراء قرآن وحدیث کے حقائق کو شعر کے سانچے میں ڈھالیں اور اخلاق عظیمہ کی تعلیم دیں ان کو '' الا '' کے لفظ کے ذریعے بے راہ روی سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہے ۔

قرآن مجید کا شاعری پر تفوق:

شاعری میں اگر چہ خرابیاں بہت زیادہ ہیں تاہم ایک خوبی یہ ہے کہ اس سے کلام کی قوت بڑھ جاتی ہے بعض اوقات شعر میں الفاظ کی بندش اس قدر مرغوب طبع ہوتی ہے کہ وہ کلام دل پسند بن جاتا ہے ۔ تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات اہم مہمات کو سر کرنے میں شاعری کو بڑا دخل حاصل رہا ہے ۔ ممالک کا فتح کر لینا اور مردہ اقوام کے دلوں میں زندگی کی روح پھونک دینا شاعری کا ادنیٰ کرشمہ رہا ہے ۔ دور حاضر میں علامہ محمد اقبال کی شاعری تعمیر قوم کی بہترین مثال ہے جبکہ فیض احمد فیض کی شاعری بے راہ روی کی بدترین مثال ہے ۔ جذب کی جو قوت شعر میں ہے وہ نثر میں نہیں ہوتی تاہم دنیا بھر کے شعراء اور نثر نگاروں کا کلام انسانی قلوب پر اتنا اثر انداز نہیں ہوسکتا جتنا کہ قرآن مجید کی ایک آیت اثر کر جاتی ہے ۔ اگر شاعری کو اوزان وقوافی کی قید سے آزاد کر دیا جائے اور حقیقت پسندی کی قید لگا دی جائے تو ہر شخص تسلیم کرے گا کہ قرآن مجید شاعری سے بھرا ہوا ہے ۔

قرآن مجید کی بہت سی آیات ایسی ہیں کہ انہیں مروجہ طور پر منطبق کریں تو پورا شعر بن جاتا ہے مگر اسے ہرگز ہرگز شعر نہیں کہا جا سکتا کیونکہ شعر میں تخیلات ہوتے ہیں جبکہ قرآن مجید میں حقائق ہیں ۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک ٹن مٹی اور ایک ٹن سونا وزن میں برابر ہوتے ہیں لیکن قیمت میں مٹی کو سونے سے کوئی نسبت نہیں اسی طرح قرآنی آیات اور شعر ، بحر کے وزن میں برابر ہو سکتے ہیں مگر ایک مٹی ہے اور دوسرا سونا ہے ۔ فرق صاف ظاہر ہے ذیل میں چند اوزان بحور متداولہ کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں ۔

① آسان بحر کی مثالیں:

ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ

فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ

فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

مُسْلِمَاتٍ مُؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ

فاعلات فاعلات فاعلات

تَائِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ

فاعلات فاعلات فاعلات

② بحر رمل مجردو مقصود:

اَلَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ

فاعلاتن فعلاتن

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

فعلاتن فعلاتن

③ بحر رمل وافی مخبون:

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا

مفعول فاعلاتن

فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا

مفعول فاعلاتن

④ بحر مضارع اضرب سالم:

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا

وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا

وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا

وَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا

⑤ علی ھذا القیاس

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا

فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا

وَالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا

فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا

⑥ شعراء کا دستور ہے کہ بعض اشعار کو بار بار قصیدہ یا نظم میں لاتے ہیں جیسے سورہ رحمٰن میں انعامات الٰہیہ یاد دلانے والی آیت "فبای آلاء ربکما تکذبن" (اے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے) یا سورۃ المرسلات میں تکذیب کرنے والوں کے انجام کے متعلق آیت ہے

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (مرسلت 15)

[اور روز جھٹلانے والوں کیلئے بڑی خرابی ہے]

⑦ مندرجہ بالا مثالوں کے باوجود قرآن مجید میں ایک شعر بھی نہیں۔ کیونکہ شعر کے معنی خیالی باتوں کے ہیں جبکہ قرآن مجید صداقتوں اور حقیقتوں کا مجموعہ ہے۔ اب حاصل کلام یہ ہوا کہ جو موزوں کلام اپنے ارادہ وقصد سے کہا جائے وہ شعر ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو وہ شعر نہیں اسی لئے قرآن مجید کو شعر نہیں کہا جا سکتا کہ نبی ﷺ نے اپنی مرضی سے کوئی آیت نہیں بنائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى O اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى O (النجم : 3,4)

(وہ اپنی نفس کی خواہش سے نہیں بولتے ان کا قول وحی ہے جو نازل ہوئی)

(8) سچ بات تو یہ ہے کہ جو خود صاحب وحی حضرت محمد ﷺ کے اقوال واحادیث کو فصاحت وبلاغت میں قرآن مجید سے اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ ذات نبی ﷺ کو ذات الٰہی جل جلالہ سے تو پھر اس کے بعد عام لوگوں کی شعر وشاعری کو کلام الٰہی سے بھلا کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

آیات قرآن مجید
اور اشعار رزمیہ امرؤالقیس کا تقابلی جائزہ

امرؤالقیس عرب کا فصیح ترین شاعر مانا جاتا تھا۔ رزم و بزم کی مصوری میں اس کے اشعار کی پرستش ہوتی تھی۔ اسی لئے اسے اپنے وقت کا مافوق العادت انسان خیال کیا جاتا تھا۔ اس کے رزمیہ کلام میں سے اعلیٰ اشعار گھوڑے کی تعریف کے بارے میں ہیں۔

اشعار امراؤالقیس:

(1) مكر مفر مقبل مدبر معا
كجلمود صخر حطه السيل من عل

(وہ گھوڑا حملہ کرنے والا۔ بھاگنے والا۔ آگے آنے والا۔ مڑ جانے والا۔ یکدم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک پتھر کو سیلاب نے سے اوپر نیچے کی طرف لڑھکا دیا ہے)

(2) كميت يزل اللبد عن حال متنه
كما زلت الصفواء بالمتنزل

(وہ کمیت ہے اور زین کو اپنی پیٹھ پر سے اس طرح پھسلا دیتا ہے جیسے چکنا پتھر بارش کو)۔

(3) على الزبل جياش كان اهتزامه
اذا جاش فيه حميه غلى مرجل

(باوجود لاغر ہونے کے ایسا جوش مارتا ہے کہ اس کے چلنے کی آواز۔ گرمی نشاط کے جوش میں دیگ کے ابلنے کی سی آواز معلوم ہوتی ہے)

(4) مسح اذا ما السابحات على الونى
اثرن الغبار بالكديد المركل

(جس وقت تیز رفتار گھوڑے تھک کر پامال شدہ زمین پر غبار اٹھانے لگتے ہیں۔ وہ گھوڑا بدستور بارش کی مانند تیز چلتا ہے)

(5) يزل الغلام الخف عن صهراته
ويلوى بالواب العنيف المثقل

(ہلکے پھلکے لڑکوں کو تو وہ اپنی پیٹھ سے اچھال دیتا ہے اور بھاری بھرکم تجربہ کار شہسواروں کے کپڑے گرا دیتا ہے)

ان پانچ اشعار میں امراؤالقیس نے گھوڑے کی سرعت رفتاری۔ جرأت و ہمت اور تن آوری کو اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ بے اختیار داد دینے جی چاہتا ہے۔ کلام کی فصاحت وبلاغت دیکھئے کہ ہر بات کو استعارات وتشبیہات سے ادا کیا ہے تا کہ آنکھوں کے سامنے نقشہ کھنچ جائے اس کے مقابلے میں قرآن مجید کی

صرف چند آیات نقل کی جاتی ہے۔

آیات قرآن مجید:

" وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا O فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا O فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا O فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا O فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا O (والعدیت:1,5)

(قسم ہے دوڑتے ہانپتے گھوڑوں کی۔ جو ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں۔ پھر صبح کے وقت دھاوا بول دیتے ہیں۔ پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں۔ پھر اس وقت ہجوم میں گھس جاتے ہیں)

تقابلی جائزہ

اشعار امراء القیس	آیات قرآن مجید
1۔ شاعر نے پانچ اشعار میں 51 الفاظ استعمال کیئے ہیں۔	1۔ ان آیات میں 2 1 الفاظ استعمال ہوئے۔
2۔ شاعر کا مقصد فقط گھوڑے کی تعریف تھی۔	2۔ ان آیات میں گھوڑے کی تعریف ضمنی طور پر کی گئی ہے۔
3۔ شاعر نے ایک گھوڑے کی تخیلاتی صفات کی تعریف کی ہے۔	3۔ ان آیات میں گھوڑوں کی صفات واقعی کو بیان کیا گیا ہے۔
4۔ شاعر نے سرعت رفتار کے ساتھ سرعت فرار کا بھی تذکرہ کیا ہے حالانکہ یہ عیب ہے صورت ادبار میں تو بھیڑ بکریوں کو بھی سرعت رفتار میں آ جاتی ہے۔	4۔ ان آیات میں گھوڑے کی سرعت رفتار کا تذکرہ ہے۔ سرعت فرار کا تذکرہ نہیں اس لئے کہ پیٹھ پھیر کر بھاگنا انتہائی بزدلی کا کام ہے۔
5۔ گھوڑے کی پیش قدمی کو لڑھکتے پتھر سے تشبیہ دینا کوئی اچھی تشبیہ نہیں ہے۔	5۔ تیز رفتاری کو ٹاپوں سے آگ نکالنے کے الفاظ سے واضح کرنا بہت لطیف استعارہ ہے۔
6۔ دوسرے شعر میں گھوڑے کے موٹاپے کا تذکرہ ہے کہ زین بھی پھسل جاتی ہے۔ تیسرے شعر میں گھوڑے کی لاغری کا تذکرہ ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ لاغر گھوڑے کی پیٹھ سے زین پھسل ہی نہیں سکتی۔ پس مضمون میں اختلاف ہے گویا تعریف جھوٹ پر مبنی ہے۔	6۔ آیات کے مضمون میں کوئی اختلاف نہیں ہے قرآن مجید ہر جھوٹ اور عیب سے پاک ہے۔
7۔ شاعر نے گھوڑے کی چلنے کی آواز کو دیگ کی آواز سے تشبیہ دی ہے جس سے بیان کا حق ادا نہیں ہوتا غور کرنے سے بھی بات سمجھ نہیں آتی	7۔ آیات میں گھوڑوں کے ہانپنے کا تذکرہ ہے۔ یہ فہم انسان سے کتنا قریب ہے کہ ایک تصویر نظر کے سامنے پھر جاتی ہے۔
8۔ گھوڑے کا پامال شدہ زمین سے غبار اڑانا کون سی حیرت کی بات ہے۔ پامال شدہ زمین پر تو گھوڑا چل پڑے تو بھی گرد اڑ جاتی ہے۔	8۔ صبح کے وقت شبنم کی وجہ سے گرد و غبار جما ہوتا ہے اس وقت غبار اڑانا تیز رفتاری کی بین دلیل ہے۔

9۔ گھوڑے کی سرعت رفتاری کو شاعر نے اس طرح بیان کیا کہ نوجوان لڑکوں کو پیٹھ سے گرا دیتا ہے شہسواروں کے کپڑے پھینک دیتا ہے حالانکہ یہ سب کچھ موزوں خرامی کے خلاف ہے ۔ سامان پھینک کر چل دینا کون سی خوبی ہے۔	9۔ گھوڑوں کی جرأت اور وفاداری کو اس طرح بیان کیا کہ دشمن کے ہجوم میں گھس جاتے ہیں سوچنے کی بات ہے کہ منزل مقصود پر جلد پہنچانا ہی صفت ہوتی ہے ۔ اور اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر پیش قدمی کرنا ہی جرأت کہلاتی ہے ۔ ان الفاظ نے گھوڑوں کی تعریف کا حق ادا کر دیا۔
10۔ شاعر نے جھوٹ بولا ، من گھڑت باتیں کیں پھر بھی اپنا مقصد پورا نہ کر سکا۔	10۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا۔ سچی باتیں کیں اور مدعائے بیان کا ایک پہلو بھی باقی نہ رہا۔

نتیجہ:

قرآن مجید میں صرف 12 الفاظ میں جو مضمون سمیٹ دیا گیا ہے وقت کا عظیم ترین شاعر 51 الفاظ میں بھی وہ مضمون بیان نہ کر سکا۔ اس مقام پر قرآن مجید کے اعجاز کو دیکھ کر ہزار بار قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ دل سے آواز نکلتی ہے کہ ’’ھذا کلام ربی ‘‘ (یہ میرے پروردگار کا کلام ہے یہ میرے پروردگار کا کلام ہے)

پس تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے

اشعار امرء القیس	آیات قرآن مجید
1۔ شاعر نے پانچ اشعار میں 51 الفاظ استعمال کئے۔	1۔ ان آیات میں 12 الفاظ استعمال ہوئے۔
2۔ شاعر کا مقصد فقط گھوڑے کی تعریف تھی۔	2۔ ان آیات میں گھوڑے کی تعریف ضمنی طور پر کی گئی ہے۔
3۔ شاعر نے ایک گھوڑے کی تخیلاتی صفات کی تعریف کی ہے۔	3۔ ان آیات میں گھوڑوں کی صفات واقعی کو بیان کیا گیا ہے۔
4۔ شاعر نے سرعت رفتار کے ساتھ سرعت فرار کا بھی تذکرہ کیا ہے حالانکہ یہ عیب ہے صورت ادبار میں تو بھیڑ بکریوں کو بھی سرعت رفتار میں آ جاتی ہیں۔	4۔ ان آیات میں گھوڑے کی سرعت رفتار کا تذکرہ ہے۔ سرعت فرار کا تذکرہ نہیں اس لئے کے پیٹھ پھیر کر بھاگنا انتہائی بزدلی کا کام ہے۔
5۔ گھوڑے کی پیش قدمی کو لڑھکتے پتھر سے تشبیہ دینا کوئی اچھی تشبیہ نہیں ہے۔	5۔ تیز رفتاری کو ٹاپوں سے آگ نکالنے کے الفاظ سے واضح کرنا بہت لطیف استعارہ ہے۔
6۔ دوسرے شعر میں گھوڑے کے موٹاپے کا تذکرہ ہے کہ زین بھی پھسل جاتی ہے ۔ تیسرے شعر میں گھوڑے کی لاغری کا تذکرہ ہے ۔ صاف ظاہر ہے کہ لاغر گھوڑے کی	6۔ آیات کے مضمون میں کوئی اختلاف نہیں ہے قرآن مجید ہر جھوٹ اور عیب سے پاک ہے۔

آیات قرآن مجید اور اشعار بزمیہ امراء القیس کا تقابلی جائزہ:

علمائے ادب کا اتفاق ہے کہ امراء القیس جہاں رزم کی شاعری کا مصور سمجھا جاتا تھا وہاں بزم کا نقشہ سجانے میں بھی یدطولیٰ رکھتا تھا۔اس نے اپنی محبوبہ کی تعریف میں درج ذیل اشعار لکھے جو اپنے وقت میں فصاحت و بلاغت میں مشہور تھے۔

مهفهفة بيضاء غير مغاضة
ترائبها مصقوفة كالسجنجل

(وہ محبوبہ نازک کمر سفید بدن اور چسپیدہ شکم ہے جسکا سینہ آئینے کی طرح شفاف ہے)

كبكر المقاناة البياض بصفر
غذاها نمير الماء غير محلل

(وہ ایک زردی مائل سفید رنگ صدف کا گوہر یکتا ہے جس صدف کو آب صاف وغیر مکدر نے پرورش کیا ہے)

تصد وتبدى عن اسيل وتتقى
بناظرة من وحش وجرة مطافل

(وہ مجھ سے اعراض کرتی ہے فقط صورت دکھاتی ہے۔لیکن اس کی آنکھ ہرنی کی مانند ہے جو مجھ پر حیرت کا پردہ ڈال دیتی ہے)

امراؤالقیس کے پہلے اور دوسرے اشعار میں حسن اعضاء کا بیان ہے مگر تیسرے شعر میں بالخصوص آنکھوں کی خوبصورتی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

آیات قرآن مجید:

قرآن مجید کی ایک آیت کے چند الفاظ پر غور کیجئے جس میں انہی صفات کا ذکر ہے

حُوْرٌ عِيْنٌ O كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ O (واقعہ: ۲۲،۲۳)

{(مومنین کیلئے) گوری گوری خوشنما بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی جیسے پوشیدہ رکھے ہوئے موتی}۔

تشریح وتوضیح:

① لفظ حور ماخوذ ہے حورۃ اور حیرت سے جس کے درج ذیل معنی نکلتے ہیں۔

② غایت درجے کی سفیدی،عربی زبان میں گورے بدن والی عورتوں کو حوراء کہا جاتا ہے۔جیسے اردو زبان میں خوبصورت لڑکی کا نام ''گوری'' رکھ دیا جاتا ہے۔

③ حیرت میں ڈال دینے والی۔جس عورت کا سراپا اتنا دلکش ہو، جاذب نظر ہو، پرکشش ہو کہ دیکھنے والا حیران ہوکر دیکھتا رہے۔

④ بہت زیادہ کالی۔انسانوں کی طبائع مختلف ہوتی ہیں افریقہ کے بعض قبائل میں جولڑکی زیادہ کالی ہو اسے اتنا ہی زیادہ ملکہ حسن سمجھا جاتا ہے وہ زبان حال سے کہتے ہیں۔''گوریاں نوں پراں کرو'' پس حور کا لفظ ایسا ہے کہ انسان اپنی محبوبہ گوری ہو یا کالی اس پر لاگو کرسکتا ہے سنا ہے کہ مجنوں کو لیلیٰ سے افسانوی پیار تھا۔لیلیٰ اتنی کالی تھی کہ والدین نے رات کی تاریکی کی مانند سمجھ کر لیلیٰ نام رکھ دیا تھا۔قصہ کوتاہ دنیا میں حسن کا اطلاق گورے اور کالے دونوں رنگوں پر ہوتا ہے جیسے ہیرے کالے بھی ہوتے ہیں اور سفید بھی ہوتے ہیں مگر آخرت میں حسن کا اطلاق سفید رنگ پر ہوگا۔اسی لئے قرآن مجید میں بیض (سفید) کا لفظ استعمال کیا گیا۔آخرت میں کالا رنگ بدبختی کی دلیل ہوگا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ

مجھے تم پسند ہو تو مجنوں کو لیلیٰ
نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

⑤ بدن گورا بال کالے۔ بعض علما نے حور کا یہ معنی لیا ہے کہ جس کا رنگ بہت گورا ہو۔ بدن گلاب کی مانند نرم و نازک ہو اور بال انتہائی کالے ہوں۔ آنکھوں کی سفیدی خوب سفید اور سیاہی خوب سیاہ ہو۔

⑥ لفظ عِیْن مشتق ہے عَیَنٌ سے اور اس کے معنی بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والی عورت پس حـــور عیـــن اس حسین و جمیل عورت کو کہیں گے کہ جس کا بدن خوشنما، دیکھنے والے کو حیران کر دینے والی اور پر کشش آنکھوں والی ہو۔

اس تفصیل کے بعد اگر امراء القیس کے اشعار پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی محبوبہ میں دو چیزوں کی خاص تعریف کی ہے ایک سفید رنگ اور دوسری خوبصورت آنکھیں۔ درحقیقت یہی دو چیزیں انسان کے فطری جذبات سے زیادہ نسبت رکھتی ہیں۔ اب ذیل میں تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

تقابلی جائزہ

اشعار امراء القیس	آیات قرآن مجید
1۔ شاعر نے اپنی محبوبہ کے حسن و جمال کو 26 الفاظ میں بیان کیا۔	1۔ قرآن مجید میں حسن و جمال کو فقط پانچ الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔
2۔ شاعر نے پہلے شعر میں محبوبہ کے سراپا کی خوبصورتی کو بیان کیا۔	2۔ آیت کے ایک لفظ حور نے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔
3۔ شاعر نے محبوبہ کو دوسرے شعر میں زردی مائل سفید رنگ صدف کا گوہر بتایا ہے یہ الفاظ پڑھ کر یوں لگتا ہے کہ اس نے صدف کی تعریف کیلئے زیادہ استعمال کئے ہیں جب کہ گوہر کے لئے کوئی تعریفی لفظ استعمال نہیں کیا۔	3۔ آیت میں عورت کو چھپے ہوئے موتی سے تشبیہ دے کر موتی کی تعریف کی گئی ہے۔
4۔ شاعر نے صدف کی پرورش کیلئے صاف اور غیر مکدر پانی کی قید لگائی ہے جب کہ صاف اور غیر مکدر پانی کی قید لگائی ہے جب کہ صاف اور غیر مکدر پانی میں صدف پرورش پا ہی نہیں سکتی۔ یہ غلط بیانی اور مبالغہ آرائی شعراء کا خاص فن ہے۔	4۔ آیت میں کوئی بات حقیقت کے خلاف نہیں کہی گئی۔
5۔ شاعر نے تیسرے شعر میں محبوبہ کی آنکھ کو ہرنی کی آنکھ سے تشبیہ دی ہے یہ بھی مبالغہ ہے ہرنی کی آنکھ ہرنی کے لمبوترے چہرے پر بجتی ہے اگر عورت کے چہرے پر وہ آنکھ سجا دے تو شاعر صاحب ڈر سے دور بھاگ جائیں۔	5۔ آیت میں عین کے لفظ میں آنکھوں کی خوبصورتی کو نہایت خوبصورت انداز میں بیان کر دیا گیا ہے۔
6۔ شاعر نے اپنی محبوبہ کے حسن ظاہری کو تو بیان کیا ہے مگر اس کے حسن کردار اور پاکیزگی و پاکدامنی کے متعلق کچھ نہیں کہا ممکن ہے اس کے نزدیک یہ کوئی اہم بات نہ ہو۔ مزید برآں محبوبہ کو بچوں والی ہرنی	6۔ آیت میں عورت کو پوشیدہ موتی سے تشبیہ دے کر وضاحت کر دی گئی ہے کہ وہ غیر کے ہاتھوں سے محفوظ رہی ہے حوران جنت کی عفت و عصمت کا یہ کنایہ ہے کہ پروردگار عالم نے انہیں نیکو کاروں کے لئے

سے تشبیہ دی ہے تو شاید محبوبہ کسی اور کی امانت ہے یا پھر اپنے کئی بچوں کی ماں ہے جس کے لئے تعریفی اشعار کہنے مجبوری تھی۔

7۔شاعر کا یہ کہنا کہ میں محبوبہ کی آنکھوں کو دیکھ کر اتنا حیران ہوتا ہوں کہ اس کی شکل ہی نہیں دیکھ سکتا۔ یہ مبالغہ ہے جو شعراء کا خاص ہنر ہے۔

چھپا رکھا ہے لؤ لؤ مکنون کا لفظ حور کے باکرہ ہونے کی گواہی دے رہا ہے یہ صفت شاعر کے تینوں اشعار میں نظر نہیں آتی۔

7۔آیت مبارکہ ایسے جھوٹے مبالغے سے پاک ہے سب سے زیادہ صحیح اور دل پسند مبالغہ یہی ہو سکتا تھا کہ حیران کن حسینہ کا نام ہی حیرت انگیز رکھ دیا جائے چنانچہ پروردگار عالم نے جنت کی حیران کن خوبصورت عورتوں کا نام ہی حور رکھ دیا۔ سبحانہ ما اعظم شانہ

نتیجہ:

اس تقابلی جائزہ سے معلوم ہوا کہ قرآنی آیت کے الفاظ کی تعداد شاعر کے ایک مصرع کے برابر ہیں مگر ان میں عورتوں کے حسن و جمال کو اس قدر فصاحت و بلاغت ایجاز و اعجاز اور تشبیہ و کنایہ سے بیان کیا ہے کہ شاعر کے تین اشعار کیا اس کا پورا قصیدہ بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

پس سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے

قرآن مجید میں بزم کی نقشہ کشی:

قرآن مجید میں چند مقامات پر بزم کی مصوری اس قدر خوبصورت انداز

سے کی گئی ہے کہ گویا آنکھوں کے سامنے نقشہ ہی کھنچ جاتا ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ تمام منظر آنکھوں کے سامنے ہے۔ بزم کی مصوری کے اس اعجاز کو ظاہر کرنے کیلئے چند آیات درج ذیل ہیں۔

فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَا اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ o وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَا اَصْحٰبُ
الْمَشْئَمَةِ o وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ o اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ o فِيْ جَنّٰتِ
النَّعِيْمِ o ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ o وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ o عَلٰى سُرُرٍ
مَّوْضُوْنَةٍ o مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ o يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ
مُّخَلَّدُوْنَ o بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ o لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا
يُنْزِفُوْنَ o وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ o وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ o وَحُوْرٌ
عِيْنٌ o كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ o جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ o لَا
يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا o وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ مَا
اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ o فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ o وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ o وَّظِلٍّ
مَّمْدُوْدٍ o وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ o وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ o لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا
مَمْنُوْعَةٍ o وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ o اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً o فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا o عُرُبًا
اَتْرَابًا o لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ o ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ o وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ o

(واقعہ ع ۱)

(حشر کے دن تین جماعتیں ہوں گی ایک تو دائیں طرف والے ہوں گے اور دائیں والوں کے کیا کہنے۔ دوسرے بائیں طرف والے سو بائیں والوں کی کیا گت بیان ہو۔ اور آگے نکلنے والے آگے نکلنے والے ہی ہیں۔ یہی لوگ مقربین الٰہی ہیں۔ عیش کے باغوں میں ہوں

گے۔ ان میں زیادہ تر اگلے لوگوں میں سے ہوں گے اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں سے سونے کی تاروں سے بنے ہوئے تخت پر تکیہ لگائے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے آگے پیچھے خوبصورت نوکر ہوں گے۔ ان کے پاس آبخورے اور آفتابے اور شراب مصفّٰی کے ایسے پیالے ہوں گے جنہیں پی کر نہ تو انہیں کوئی سر درد ہوگا نہ ہی وہ بے ہوش ہوں گے۔ اور نیز من پسند میوے اور حسب خواہش پرندوں کا بھنا ہوا گوشت اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی۔ یہ سب کچھ بدلہ ہوگا ان کے نیک اعمال کا۔ اس میں کوئی لغو اور خلاف تہذیب بات سننے میں نہ آئے گی صرف اچھی اچھی باتیں ہوں گی۔ اور دائیں ہاتھ والے، کیا کہنے دائیں ہاتھ والوں کے بے خار بیریوں کے باغ میں ہوں گے۔ جہاں پکے ہوئے کیلوں کے درخت ہوں گے اور پھیلا ہوا سایہ اور پانی کا جھرنا اور میووں کی بہتات ہوگی۔ جن کی نہ تو فصل ختم ہوگی نہ ہی ان سے کوئی مانع ہوگا۔ اور اونچے اونچے فرش ہوں گے۔ ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے کہ انہیں کنواریاں بنایا ہے اور دلربا اور ہم عمر ہوں گی دائیں طرف والوں کیلئے ان میں اگلے لوگوں کا بھی ایک گروہ ہوگا اور پچھلے لوگوں کا بھی)

نتیجہ:

ان آیات میں بزم عیش ونشاط کا ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ دل چاہتا ہے کہ ابھی اڑ کر وہاں پہنچ جائیں۔ سب سے پہلے تو ارباب بزم کا اجمالی تذکرہ کیا ہے پھر ان

کی نشست کی ترتیب بیان کی ہے پھر وہاں کے مسرت افزاء ماحول کا ذکر کیا ہے۔ عیش وعشرت اور فرحت وانبساط کے جو سامان بھی ممکن ہیں ان آیات میں ان کا تذکرہ ہے۔ خوبصورت نوکر چاکر، گلبدن گلفام، ہم عمر کنواری لڑکیاں، شراب و کباب، محبت وارتباط، ہم نشینوں کی باہم خوش کلامیاں، بے لطیفوں اور شکر رنجیوں سے بے خطرہ، سینہ ہے مگر اس میں کینہ نہیں، شباب ہے مگر عذاب نہیں۔ شراب ہے مگر خراب نہیں۔ تہذیب و شائستگی، خوش اخلاقی، باغ و بہار، آبشار، مرغزار، فرش وفروش، نعمتیں ہیں مگر زوال کا غم نہیں۔ روک ٹوک کا اندیشہ نہیں۔ چھن جانے کا خوف نہیں، کوئی بدمست نہیں، کوئی بکواس نہیں، کوئی مریض نہیں۔ نہ جان کا اندیشہ نہ مال کا خطرہ، کوئی احتیاط نہیں، کسی چیز کی کمی نہیں، جو چیز ہے وہ باافراط ہے۔ جو سامان ہے وہ بے پایاں ہے جو درکار ہے وہ تیار ہے جو مطلوب ہے وہ موجود ہے۔ غرض وہ کون سی بات ہے جس کو سامان عشرت میں دخل ہو اور وہ یہاں مذکور نہ ہو۔ بزمیہ انشاء لکھنے والوں میں سے کوئی ایسا نہیں دیکھا گیا جس نے ایسی ہمہ گیر اور عالیشان انشاء بزم لکھی ہو اور وہ قرآن مجید کی طرح سچ بھی ہو۔ یہ صرف قرآن مجید ہی کا خاصہ ہے کہ اس کے واقعات کذب سے خالی نامعقول مبالغہ سے دور اور فرضی تخیلات سے بعید تر ہیں قرآن مجید نے جنت کی تعریف میں بھی وہی باتیں فرمائی ہیں جن کو عقل انسانی سمجھ سکتی ہے۔

دنیا بھر کے شعراء اور نثر نگاروں کو جمع کر لو کہ وہ اس جیسی منظر کشی کر دکھائیں مگر وہ ایسا نہیں کر سکیں گے۔ نہ مضامین کی ترتیب، نہ الفاظ کی بندش، نہ کلمات کی سلاست، پھر صنائع لفظی ومعنوی میں سجع، مطابقت تجنیس، مراعاۃ النظیر، تقسیم

، تجرید، لف ونشر، حسن وتکرار، قید واطلاق، ایجاز واطناب کی خوبیاں، تشبیہ و استعارہ کے محاسن، وصل وفصل کی موزونیت، دل نشینی مناظر وغیرہ تو قرآن مجید ہی کا خاصہ ہے۔ فہم سلیم اور ذوق رکھنے والوں کیلئے دعوت ہے وہ قرآن مجید کی تلاوت کریں اور اس خوان حسن وخوبی سے لطف اندوز ہوں

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کیلئے

بزم کی مصوری کا دوسرا انداز:

قرآن مجید میں یہ بھی خصوصیت ہے کہ اس کے مضامین میں یکساں حسن اور ایک طرح کی شوکت پائی جاتی ہے۔ یہ وہ صفت ہے جس پر بڑے سے بڑا قادر الکلام شاعر اور کہنہ مشق نثر نگار بھی قدرت نہیں رکھتا۔ جس بات کو کسی شاعر نے ایک دفعہ بیان کر دیا اس کو دوسرے انداز میں بیان کرنا اس کیلئے مشکل ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف قرآن مجید میں اکثر مقاصد کو تکرار کے ساتھ ادا فرمایا گیا مگر ہر جگہ وہی فصاحت و بلاغت کا کمال اور محاسن لفظی ومعنوی موجود حتی کہ ہر جگہ کلام پر لطف بنایا مگر معیار بلاغت ایک جیسا ہوتا ہے۔ جنت کی بزم عیش ونشاط کا ایک تذکرہ سورۃ واقعہ کی آیات میں گزر چکا ہے۔ دوسرا تذکرہ سورہ دہر میں درج ذیل الفاظ میں ہے

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا
عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ
مُسْتَطِيْرًا ۝ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا
نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا
يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝ فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّ
سُرُوْرًا ۝ وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝ مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ
لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۝ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا
تَذْلِيْلًا ۝ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ۝ قَوَارِيْرَ
مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ۝ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۝ عَيْنًا
فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ۝ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ
حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ۝ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ۝ عٰلِيَهُمْ
ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ وَّحُلُّوْا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ
شَرَابًا طَهُوْرًا ۝ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝

(دهر: ع ٢)

(نیک لوگ ایسے جام پئیں گے جن میں کافور کی آمیزش ہو۔ اس چشمے سے اللہ کے خاص بندے پئیں گے۔ پھر اس کو جہاں چاہیں گے بہا کے لے جائیں گے۔ وہی لوگ جو واجبات کو پورا کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کو سختی ہمہ گیر ہوگی اور اللہ کے واسطے غریب، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم فقط اللہ کی رضا کیلئے کھانا کھلاتے ہیں۔ تم سے کسی بدلے اور شکریئے کے طلب گار نہیں۔ ہمیں اپنے پروردگار سے ایک سخت اور تلخ دن کا اندیشہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دن کی تکلیف سے محفوظ رکھا اور تازگی ومسرت عطا فرمائی۔ ان کے صبر کے بدلے میں جنت اور ریشمی لباس بخشا۔ وہاں تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے اس میں حرارت ہوگی نہ سردی۔ جنت کے درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوں گے۔ اور ان

کے میوے ان کے بس میں ہوں گے۔ چاندی کے برتن اور شیشوں کے پیالوں کا دور ہو رہا ہو گا۔ شیشہ چاندی کی طرح ہو گا اسے ایک انداز کے موافق بھرا گیا ہو گا۔ ایسے جام پلائے جائیں گے جن میں زنجبیل کی آمیزش ہو گی اس چشمے کا نام سلسبیل ہو گا۔ اس کے گرد خوبصورت خدام پھر رہے ہوں گے جو دیکھنے سے یوں لگیں گے جیسے بکھرے ہوئے موتی ہیں۔ اگر تم اس کو دیکھو گے تو تمہیں بہت بڑی نعمت اور بادشاہت (کا سامان) نظر آئے گا۔ ان کے اوپر سبز سندس اور استبرق کے کپڑے ہوں گے اور چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ اور ان کا پروردگار ان کو شراب طہور پلائے گا اور کہے گا یہ سب تمہاری نیکیوں کا بدلہ ہے اور تمہاری کوششیں قبول ہوئیں''

آیات قرآنی کا تقابلی جائزہ

آیات سورۃ واقعہ	آیات سورۃ دہر
1۔ ان آیات میں شراب کی داخلی صفات کا تذکرہ ہے کہ یہ خمار پیدا نہیں کریگی۔	1۔ ان آیات میں شراب کی خارجی صفت کا تذکرہ ہے کہ اس میں کافور اور زنجبیل کی آمیزش ہوگی
2۔ ان آیات میں کھانے کے برتنوں کا تفصیلی تذکرہ ہے	2۔ ان آیات میں شراب ڈال کر پینے والے پیالوں کا تفصیلی تذکرہ ہے
3۔ ان آیات میں پانی کے جھرنے کا فقط ذکر موجود ہے	3۔ ان آیات میں بتایا گیا کہ وہ چشموں کو جہاں چاہیں گے ساتھ لے جا سکیں گے گویا ظاہری صفت بتائی گئی۔

4۔ ان آیات میں جنتیوں کی گفتگو اور ہم کلامی کا تفصیلی تذکرہ ہے	4۔ ان آیات میں جنتیوں کی پوشاک اور ان کے لباس کا تفصیلی تذکرہ ہے نیز جنتیوں کے کنگن پہننے کا بھی بیان ہے (بعض نوجوان جنتیوں کے کنگن کی باتیں پڑھ کر حیران ہوتے ہیں اور خود Rado کی گھڑی پہن کر بار بار ہلاتے ہیں تاکہ دوسرے لوگ دیکھ سکیں)
5۔ ان آیات میں حوروں کے حسن و جمال کی تفصیل موجود ہے۔ ان کو چھپے ہوئے موتیوں سے تشبیہ دی اور لؤ لؤ مکنون کہا گیا	5۔ ان آیات میں غلمان کے حسن و جمال کی تفصیل ہے۔ ان کو بکھرے موتیوں سے تشبیہ دی اور لؤلؤا منثورا کہا گیا ہے۔
6۔ ان آیات میں تخت کی داخلی صفات یعنی مرصع کاری کا تذکرہ ہے	6۔ ان آیات میں مقدار شراب کا تذکرہ ہے جو نہ خواہش سے زیادہ ہوگی نہ کم۔
7۔ ان آیات میں حسب خواہش پرندوں کے بھنے گوشت کھانے کا تذکرہ ہے۔	7۔ ان آیات میں ان کی ایجابی صفت بتائی گئی کہ پھل و میوے جنتیوں کی طرف جھک جائیں گے۔
8۔ ان آیات میں میوے اور پھلوں کی سلبی صفت بتائی گئی ہے کہ وہ غیر مقطوع اور غیر ممنوع ہوں گے۔	8۔ ان آیات میں جنت کی آبشاروں اور چشموں کی خوب منظر کشی کی گئی ہے اور ان کے نام بتائے گئے۔
9۔ ان آیات میں جنت کے باغ	

یعنی درختوں کی خوب منظر کشی کی گئی ہے اور ان کے نام بتائے گئے ہیں۔ 10۔ ان آیات میں دلربا ہم عمر کنواری لڑکیوں سے لطف اندوز ہونے کا بیان ہے۔ 11۔ ان آیات میں بیٹھنے کے لئے سرر کا لفظ استعمال کیا جب کہ پھلوں کے لئے فواکہ کا لفظ لایا گیا ہے۔	9۔ ان آیات میں اس بات کی تفصیل ہے کہ پروردگار عالم ان کو شراب طہور پلائیں گے اور جنتیوں کے بارے میں تعریفی کلمات کہیں گے

(نتیجہ) سورۃ واقعہ اور سورۃ دہر کی آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں جگہ بزم کی مصوری کا پیرایہ بیان بدلا ہوا ہے مگر دونوں میں صداقت کے باوجود جدت طرازی کا حسن جھلکتا ہے۔ ایک بات کو نئے نئے پیرایہ میں بیان کرنا مگر زور بیان میں فرق نہ آنے دینا فصاحت و بلاغت کے لوازمات میں سے ہیں۔ محاسن فصاحت و بلاغت اور صنائع لفظی و معنوی میں دونوں جگہ کی آیات کو ایک جیسا مرتبہ حاصل ہے۔ مگر پڑھنے والا اس طرح لطف اندوز ہوتا ہے کہ اسے دونوں کلام ایک سے ایک بڑھ کر دل نشیں اور دل پسند محسوس ہوتے ہیں۔ یہ لذت و شیرینی کلام الٰہی کا خاصہ ہے۔ پس قرآن مجید اعجاز میں اپنی مثال آپ ہے۔

پس تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

باب 7

اعجاز قرآن کی حیرت انگیز مثال

جب سورۃ الکوثر نازل ہوئی تو اس کی تین آیات کو سن کر کفار مکہ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اگر ہم اسکے ساتھ ایک فقرہ اور جوڑ دیں تو یہ رباعی بن جائے گی۔ ہم کہہ سکیں گے کہ ہم نے ادھورے کلام کو پورا کر دیا ہے۔ عرب کے تمام شعراء نے سر توڑ کوشش کر لی مگر وہ ایسا نہ کر سکے۔ ذیل میں محاسن ظاہری و معنوی کو بیان کیا جاتا ہے کہ جن کی وجہ سے اہل عرب نے اسے بے نظیر مانا۔

① شان نزول

نبی اکرم ﷺ کے فرزند اکبر حضرت قاسمؓ کی وفات پر مکہ کے ایک مشرک بد بخت اور بدخواہ عاص ابن وائل نے کہا کہ اب محمد ﷺ کی نسل منقطع ہوگئی ہے لہٰذا اب آپ ﷺ کے بعد کوئی آپ کا نام لیوا باقی نہ رہے گا۔ تو درج ذیل سورۃ نازل ہوئی

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ ۝

(ہم نے تمہیں کوثر عطا کی۔ پس اپنے رب کی نماز پڑھو اور قربانی

دو ۔ بے شک تمہارا دشمن ہی ناقص ہے)

② مفہوم کلام:

اے محمد ﷺ! ہم تم سے بعید نہیں ہماری ہستی معظم نے تمہیں ہر قسم کا کمال اور تمام خوبیوں کی کثرت عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ وہ وعدہ ایسا وعدہ ہے کہ گویا پورا ہو چکا اور یہ جو کچھ بھی عطا ہوا تمہاری درخواست کے بغیر ہم نے صرف اپنی کمال عنایت و غایت محبت کی وجہ سے عطا کیا۔ ایسی عظیم نعمتوں کے ملنے پر مناسب یہی ہے کہ تم اپنے رب کیلئے نماز پڑھو۔ جس کی نماز بحیثیت اس کی ربوبیت کے تمہارے اوپر لازم ہے۔ اور قربانی بھی اسی کیلئے دو تا کہ مشرکوں کی عملی مخالفت ثابت ہو جائے۔ اس بات میں تمہیں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ ہم تمہارے دشمن کو ہی ناکام ولنڈورا رکھیں گے۔ بلکہ قیامت تک جو شخص بھی آپ ﷺ کی مخالفت کرے گا ہم اس کا انجام اسی طرح کریں گے۔

③ فصاحت لفظی:

اس سورۃ کا ہر لفظ سلیس، مانوس اور برمحل ہے۔ کوئی لفظ غریب الاستعمال نہیں، ترکیب حروف میں کسی نوع کا تنافر نہیں۔ کوئی لفظ سننے میں ناخوشگوار نہیں اور نہ ہی قاعدے کے خلاف استعمال ہوا ہے۔ پس یہ سورت فصاحت لفظی کا شاہکار ہے۔

④ فصاحت کلامی:

اس سورت میں کلمات کی ترتیب قواعد کے مطابق ہے۔ ترتیب کلمات ثقل سے خالی ہے۔ الفاظ نہ تو غریب و بعید ہیں اور نہ ہی قریب و مبتذل ہیں۔ الفاظ جلدی ذہن میں آنے والے ہیں اور معانی واضح ہیں۔ گویا تعقید لفظی و معنوی سے کوسوں دور ہیں۔ تکرار بے لمعنی سے مبرا۔ کثرت اضافات کے عیب سے پاک ہیں۔

الفاظ کی بندش چست ہے ترکیب دل پسند اور دل نشین ہے اور معانی بلند

ہیں۔ الفاظ اس طرح نگینے کی مانند جڑے ہوئے ہیں کہ ایک لفظ نکال کر کوئی دوسرا ہم معنی و ہم وزن لفظ استعمال کرنا چاہیں تو یہ حسن و خوبی برقرار نہ رہے جو موجودہ صورتحال میں ہے۔ پس یہ سورۃ فصاحت کلامی کا شاہکار ہے۔

⑤ حسن بلاغت:

بلاغت کی خوبی یہ ہے کہ مدعائے کلام سامع کے ذہن نشین ہو جائے ایسا معلوم ہو کہ متکلم مخاطب کے دلی جذبات کو الفاظ کا جامہ پہنا رہا ہے۔ اس سورت کی تینوں آیات بلاغت کی دلیل ہیں۔ تینوں آیات کا ہر لفظ متقضائے حال و شان مخاطب و متکلم کے مطابق ہے۔ گویا علیم و خبیر پروردگار نے نبی ﷺ کے دل کی بات کو بیان کر دیا ہے۔ پس یہ سورت حسن بلاغت کا بھی شاہکار ہے

⑥ محاسن معنوی:

اس سورت کے معنوی محاسن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

① انا کے الفاظ سے کلام کا آغاز فرمایا'' **والاصل فی الخطاب ان یکون لمشاھد معین** '' خطاب کی اصل یہ ہے کہ پیش نظر موجود ہو] یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اے محمد ﷺ! تم اور تمہاری حالت ہم سے مخفی نہیں ہے تم ہمارے پیش نظر ہو لفظ انـــا میں نون جمع متکلم کا استعمال اظہار عظمت کیلئے کیا پس کلام کے آغاز سے ہی پتہ چلتا ہے کہ ایک معظم ہستی کا خطاب ہے۔

② عطا از راہ کرم اور بلا استحقاق کے بخش دینے کے معنوں میں آتا ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ سب کچھ تمہاری درخواست کے بغیر ہم سے محض اپنے لطف و کرم سے عطا کیا۔

③ **اعـطـیـنـا** ماضی کا صیغہ ہے اور یہ مجاز یا عدول ہے مضارع سے ماضی کی

طرف اس سے عطائے کوثر کا تحقق وقوع پایا جاتا ہے مقصد یہ کہ گویا ہم نے تمہیں کوثر دے دی اب ہمارا شکر بجالانے کیلئے تیار ہو جاؤ

④ **اعطیناک** ۔ یہ القائے خطاب کی پہلی صورت ہے جس میں تاکید نہیں کی گئی معلوم ہوا کہ متکلم کو مخاطب کے ساتھ بہت قرب تھا اور قوت ایمانیہ ملحوظ خاطر تھی لہٰذا تاکید کی ضرورت نہیں تھی ۔لفظ عطا کا بھی تقاضا یہی تھا کہ مخاطب کو خالی الذہن سمجھ کر خطاب کیا جائے ۔ سبحان اللہ الفاظ کے اسلوب کے کلام سے متناسب ہونا فصاحت کی کتنی عمدہ مثال ہے

⑤ الکوثر ۔عربی زبان میں اس کے درج ذیل معانی ہیں ۔

- بہشت کی ایک ندی کا نام جس سے سب چشمے جاری ہوتے ہیں
- مرد با عزت
- خیر محض یعنی نبوت و اسلام
- ہر چیز کی کثرت ، یعنی کثرت خلفاء ، کثرت مملکت ، کثرت مال و جاہ عزت و ناموس ۔ کثرت معجزات ، خلق عظیم ، اتمام نعمت ، تکمیل دین اور ختم نبوت وغیرہ
- لفظ کوثر کے وسعت معانی کو دیکھئے کہ نبی اکرم ﷺ کو جو کچھ بھی عطا ہوا وہ سب کچھ اس ایک لفظ میں سمایا ہوا ہے ۔

⑥ ابتر اس کے بھی کئی معانی ہیں

- ناقص و ناتمام ، دم کٹا
- مرد بے عزت
- کار بے خیر
- ایک خبیث سانپ کا نام ۔

یہ تمام معانی لفظ کوثر کے معانی کے متضاد ہیں ۔گویا کوثر کے الٹ جو کچھ بھی ہے وہ آپ کے دشمن بد نصیب کے حصے میں آئے گا ۔ الفاظ کا حسن انتخاب دیکھ کر وجد طاری ہونے لگتا ہے ۔

⑦ **انا اعطینک الکوثر** : یہ جملہ خبریہ ہے ۔اغراض خبر میں سے ایک یہ ہے کہ ماننے والے کیلئے بشارت ہو اور انکار کرنے والے کیلئے شماتت ہو ۔ پس بشارت نبی ﷺ کیلئے اور شماتت عاص ابن وائل بد بخت کیلئے

⑧ **فصل لربک وانحر**: علم معانی کا قاعدہ ہے کہ جب دو جملے بنفسہا منقطع ہوں اور کوئی وصل کی مناسب وجہ نہ ہو تو فصل واجب ہے ۔ یہاں پر پہلا جملہ فعلیہ تھا اور دوسرا انشائیہ ۔ یہی اختلاف وصل کا مانع تھا دوسری آیت میں وصل نہیں فرمایا ۔

◎ فاء کے متعلق علمائے ادب نے دو معارف لکھے ہیں ایک تو یہ حرف تفریع ہے یعنی مابعد کا حکم ماسبق سے متعلق ہے ۔ پس کوثر کے عطا ہونے پر جانی و مالی قربانی دینے کا حکم دیا گیا ہے ۔ دوسرا اس میں تادیب ہے یعنی پروردگار عالم نے ادب سکھایا کہ نعمت کے ملنے پر نماز شکرانہ پڑھنی مناسب ہے اس امر کو انشاء تادیبی کہتے ہیں ۔

◎ اس آیت میں خطاب سے غیبت کی طرف التفات ہے ۔

◎ ضمیر سے اظہار کی طرف عدول (مڑنے) میں ایک فائدہ یہ ہے کہ بات کو مخاطب کے دل میں جما دیا جائے ۔ اس کو تمکین معنی کہتے ہیں ۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ صلوٰۃ و نحر فرائض میں سے ہیں ۔ اگر کوثر نہ بخشا جاتا تو بھی یہ احکام بدستور موجود رہتے ۔

◎ دو جملے غور طلب ہیں

ہم نے کوثر بخشا پس ہماری نماز پڑھو
ہم نے کوثر بخشا پس اپنے رب کی نماز پڑھو

پہلے جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ اعطائے کوثر موجب صلوٰۃ ہے۔ دوسرے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز فرائض میں سے ہے اعطائے کوثر سے اس کی تاکید مزید ہوگئی یہ نکتہ قابل غور ہے۔

9 فصل لربک کے ساتھ وانحر کا وصل لائے کیونکہ دونوں جملے انشائیہ ہیں۔ دونوں میں مناسبت عام ہے ایک جانی قربانی دوسری مالی قربانی۔ دوسرے جملے کو حکم سابق میں شریک کر دیا گیا۔

10 اس آیت کے اخیر میں لربک محذوف ہے۔ اس کو ایجاز حذف کہتے ہیں اس کا فائدہ فہم کی آسانی اور حفظ کی سہولت ہے۔

11 دوسری اور تیسری آیت میں وصل نہیں لائے کیونکہ ایک انشائیہ تھی دوسری خبریہ

12 انا شانئک ھو الابتر میں دو تاکیدیں لائی گئیں ایک ان کی دوسری ھو . کی تاکید بالائے تاکید کا مقصد یہ تھا کہ دشمن رسول عاص بن وائل کو اچھی طرح واضح ہو جائے کہ وہ خود ہی اَبتَر ہوگا۔

13 اس آخری آیت میں اطناب بھی ہے پس اعطائے کوثر دشمن کی ابتری کا سبب ہے اس کا اطناب تذییل کہتے ہیں۔ مثلا جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل: 81) اس آیت میں حق کا آنا زھوق باطل کا سبب ہے۔ اس مثال پر تیسری آیت کے معانی سمجھنے آسان ہیں

14 شانئک میں اضافت ہے دشمن کا نام لینے کی بجائے عمومیت کو پسند کیا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ دشمن رسول خواہ کوئی بھی ہوگا خائب وخاسر ہوگا۔

15 اس آیت میں عدول ہے جملہ فعلیہ سے جملہ اسمیہ کی طرف اس کا فائدہ تقرر حکم ہے۔ معلوم ہوا کہ دشمن کی ابتری کوئی غیر یقینی بات نہیں بلکہ پکی بات ہے۔

حضرت مرشد عالم فرمایا کرتے تھے

انا اعطینک الکوثر ------- یہ ہے شان رسول ﷺ

فصل لربک وانحر -------- یہ ہے پروگرام رسول ﷺ

ان شانئک ھو الابتر ------ یہ ہے انجام دشمنان رسول ﷺ

نتیجہ:

غور طلب بات یہ ہے کہ تین چھوٹی چھوٹی آیات میں جو فقط دس الفاظ پر مشتمل ہیں اس قدر لفظی و معنوی خوبیوں کا موجود ہونا حیران کن بات نہیں تو اور کیا ہے اس میں وصل وفصل، اطناب و ایجاز، قصر و تاکید اور حذف وغیرہ کے محاسن نے معانی میں حیرت انگیز وسعت پیدا کر دی ہے۔ یہ تھے وہ اسباب جس نے اس سورۃ مبارکہ کو قدرت انسانی سے بالاتر کر دیا پس سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

خلاصہ کلام:

علمائے بلاغت نے اسلوب کی تین قسمیں بتائی ہیں (خطابی)، (ادبی)، (علمی)۔ قرآن مجید میں زور خطابت، ادب کی شگفتگی اور علم کی متانت ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ ان تینوں کو یکجا کر دینا کمال ہے قانون وراثت جیسے خشک مضمون کو بیان کرتے ہوئے يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ والے رکوع میں حسن بیان، ادب کا کمال اور علم کی متانت کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ ہر شاعر کا عربی ادب کی فصاحت و بلاغت میں اپنا میدان ہوتا ہے۔ عربوں میں امراء القیس، غزل کا نابغہ خوف و ہیبت کا، اعشیٰ حسن طلب کا اور زہیر رغبت و امید کا بے مثال شاعر سمجھا جاتا ہے مگر قرآن مجید کو دیکھئے تو ترغیب و ترہیب، وعدو وعید، قوت استدلال اور امثال و قصص وغیرہ ہر چیز میں بے مثال نظر آتا ہے۔

اس کی فصاحت و بلاغت کا میدان محدود نہیں بلکہ لامحدود ہے۔ درج ذیل میں اعجاز قرآن کے چند ٹھوس شواہد پیش کئے جاتے ہیں۔

② اعجاز قرآن کے ٹھوس دلائل:

① قرآن مجید ایک ایسی ہستی پر نازل ہوا جس نے ساری زندگی کسی استاد کے سامنے زانوئے ادب طے نہیں کیا نہ علوم مدونہ کو مکاتب میں پڑھا۔ لکھنے پڑھنے سے ناواقف۔ علمی تذکروں اور شعراء کے مشغلوں سے کوسوں دور رہنے والی ہستی کا ایسا کلام پیش کر دینا جو صنائع و بدائع اور محاسن کلام میں اپنی مثال آپ ہو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ انسان کلام نہیں ہے۔

② قرآن مجید علم معانی، بیان و بدیع کے ہر شعبے پر حاوی ہے۔ علوم کا کوئی ایسا فن نہیں جو قرآن مجید میں موجود نہ ہو۔ یہ بات دنیا کی کسی کتاب میں نہیں پائی جا سکتی۔

③ انسانی کلام کو چند مرتبہ پڑھ لیا جائے تو دل اکتا جاتا ہے پھر اس کو مزید پڑھنے یا سننے کو جی نہیں چاہتا مگر قرآن مجید میں ایک ایسی تاثیر ہے کہ اسے جتنا زیادہ پڑھا جائے اتنی ہی زیادہ اس کی محبت دل میں جاگزیں ہوتی ہے وہ حفاظ یا قراء جو سارا دن اس کتاب کی تدریس میں لگے رہتے ہیں۔ صبح سے شام تک قرآن مجید سنتے یا سناتے رہتے ہیں اور عمر بھر یہی معمول رہتا ہے ان کے دل عشق قرآن سے لبریز ہوتے ہیں اور ان کی زبان پر اکثر اسی کتاب کی تلاوت رہتی ہے۔

④ انسانی کلام کو لفظ بہ لفظ یاد کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن قرآن مجید کا اعجاز دیکھئے کہ بعض اوقات سات آٹھ سال کا بچہ قرآن مجید کا حافظ بن جاتا ہے۔ اگر حفاظ کرام کے اپنے حافظے کا کمال ہوتا تو یہ حضرات کسی دوسری کتاب کو من و عن یاد کر کے دکھائیں۔ اگر قرآن مجید کو اچھے انداز سے پڑھنا قراء کا اپنا کمال ہوتا تو یہ حضرات

کسی دوسری کتاب کو پڑھ کر دکھائیں۔ معلوم ہوا کہ یہ قرآن کا ہی معجزہ ہے کہ اسکو یاد کرنا بھی آسان ہے اور اس کو مختلف قراءتوں میں پڑھنا بھی آسان ہے۔

⑤ دنیا کی کوئی کتاب لفظ بہ لفظ محفوظ نہیں۔ قرآن مجید کا معجزہ دیکھئے کہ سینوں میں بھی محفوظ ہے اور سفینوں میں بھی محفوظ ہے اس میں کوئی غلطی قرار نہیں پکڑ سکتی اگر لکھائی اور چھپائی میں کوئی غلطی رہ جائے تو حفاظ کرام اس کو ایک نظر دیکھتے ہی پہچان جائیں گے اور کھرے کھوٹے کو الگ کر دیں گے۔ ایک غیر مسلم کاتب نے تورات، انجیل اور قرآن پاک کے نسخے حاصل کئے پھر ان کو بہت خوبصورت انداز میں لکھا مگر چند جگہوں پر عمداً کمی بیشی کر لی اس کے بعد اس نے تورات یہودیوں کو دی، انجیل انصاری کو دی اور قرآن مجید ایک حافظ صاحب کو دیا۔ حافظ صاحب نے چند دن کے اندر اس کو ایک ایک حرف کی غلطی کی نشاندہی کر دی جبکہ یہود و نصاری کو کئی سال تک اس کتاب کی غلطیوں کا پتہ ہی نہ چل سکا۔ یہ دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا اور اس نے تسلیم کیا کہ قرآن مجید ہی دنیا کی واحد کتاب ہے جو ملاوٹ سے پاک ہے۔

⑥ قرآن مجید ہی وہ کتاب ہے جو تواتر کے ساتھ ہر دور اور ہر زمانے میں نقل ہوتی چلی آ رہی ہے اس کا سلسلہ درمیان میں کہیں بھی منقطع نہیں ہوتا۔

⑦ قرآن مجید کی فصاحت شروع سے آخر تک یکساں ہے کسی مقام پر اس میں کمزوری نہیں آتی۔ خوبصورت الفاظ اور مضامین کا مناسب حال ہونا زور بیان کا ہر جگہ یکساں ہونا۔ فواصل میں سجع کی بے نظیر رعایت رکھنا۔ آیات طویل کے فواصل کا حرف مدہ پر ختم ہونا اور قصیرہ بسیط کا سامعہ نواز فواصل سے مزین ہونا انوکھی بات نہیں تو اور کیا ہے۔

⑧ جھوٹ اور مبالغے سے یکسر خالی کلام کا فصاحت و بلاغت میں لاجواب ہونا

اس بات کا ٹھوس ثبوت ہے کہ یہ کسی مخلوق کا نہیں خالق کائنات کا کلام ہے

9 فنون انشاء کے ماہرین نے قرآن مجید کو اپنے اپنے فنون کی کسوٹی پر پرکھا اور تولا ہے پچھلے پندرہ سو سال میں ایک بھی ماہر فن ایسا سامنے نہ آیا جس نے قرآن پاک میں کوئی انشاء کا ضعف ثابت کیا ہو۔

10 قرآن مجید کے مضامین میں ہر جگہ ظاہر و باطن کی رعایت ملحوظ ہے۔ عوام الناس کیلئے ظاہری معنی کو سمجھنا آسان بنا دیا گیا ہے جبکہ علما کیلئے اس کے معارف کو عمیق ولطیف بھی بنا دیا گیا ہے ایسے لگتا ہے کہ علم وحکمت کا دریا بہہ رہا ہے۔ ہر شخص اپنی فراست وبصیرت کے مطابق اس سے بہرہ مند ہوسکتا ہے اہل علم اس میں جتنا بھی غور کریں گے اتنا ہی مضامین حکمت کے جواہر پارے ان کے ہاتھ آئیں گے۔ قرآن مجید کے اسی اعجاز نے مشرکین مکہ کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ الخصائص الکبریٰ اللسیوطی میں امام حاکم اور بیہقی کی روایت ہے کہ ولید بن مغیرہ نے قرآن مجید کے بارے میں اپنے تاثرات یوں بیان کئے

والله ان لقوله الذی یقول حلاوۃ وان علیه لطلاوۃ..... وانه لیعلو وما یعلی (الخصائص الکبریٰ ص113)

[خدا کی قسم جو کلام یہ بولتے ہیں اس میں بلا کی شیرینی اور رونق ہے۔ یہ کلام غالب ہی رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا]

اردو زبان کا مقالہ ہے کہ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ قرآن مجید کی تعریف صنادید قریش کی زبان سے سن کر اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ قرآن مجید کے اعجاز نے ان کے دلوں کو موہ لیا تھا۔ ان کے دل حقیقت کو تسلیم کر چکے تھے۔ قرآن مجید کی تعریف میں سب سے بہتر کلمات وہی ہیں جو آقائے نامدار سید الاولین، خاتم

المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"فیه نبأ من قبلکم وخبر مابعدکم و حکم مابینکم. من ترکه من جبار قصمه الله. ومن ابتغی الهدی فی غیره اضله الله وهو حبل الله المتین. وهو الذکر الحکیم. وهو الصراط المستقیم. وهو الذی لا تزیغ به الاهواء. ولا تلتبس به الالسنة. و لا یشبع منه العلماء. و لا یخلق علی کثرة الرد. ولا تنقضی عجائبه من قال به صدق. ومن عمل به اجر. ومن حکم به عدل ومن دعا الیه هدی الی صراط مستقیم"

[اس میں تم سے پہلے لوگوں کے حالات بھی ہیں اور ان باتوں کی بھی خبر دی گئی ہے جو تمہارے بعد واقع ہونے والی ہیں اور اس قرآن میں وہ احکام بھی مذکور ہیں جو تمہارے درمیان ہیں وہ قرآن حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے وہ کوئی بیکار جس متکبر نے قرآن کو چھوڑ دیا اس کو اللہ تعالیٰ ہلاک کر ڈالے گا اور جو شخص اس قرآن کے علاوہ ہدایت چاہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ کر دے گا وہ قرآن اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے وہ پر حکمت ذکر ہے اور صراط مستقیم ہیں قرآن وہ سرچشمہ ہدایت ہے جس کی اتباع کی وجہ سے خواہشات انسانی حق سے باطل کی طرف مائل نہیں ہوتیں اس کی زبان سے اور زبانیں نہیں ملتیں۔ علماء اس سے سیر نہیں ہوتے وہ قرآن کثرت تلاوت سے پرانا نہیں ہوتا اور نہ اس کے عجائب تمام ہوتے ہیں قرآن کریم وہ کلام ہے جس کو جنات نے سنا تو وہ ایک لحہ توقف کئے بغیر کہہ اٹھے کہ ہم نے قرآن سنا جو ہدایت کی عجیب راہ دکھاتا ہے ہم اس پر ایمان لائے جس شخص نے قرآن کے مطابق کہا اس نے سچ کہا اور جس نے اس پر عمل کیا اس کو

ثواب دیا جائے گا جس شخص نے قرآن کے مطابق فیصلہ دیا اس نے انصاف کیا۔ جس نے اس کی طرف بلایا اس کو سیدھی راہ دکھائی گئی)

نبیﷺ کی دعا میں منقول ہے

الھم اجعل القرآن ربیع قلبی و نور صدری و جلاء حزنی وذھاب ھمی (مسند احمد ج ا ص452)

(اے اللہ! قرآن کو بہار بنا میرے دل کی اور نور میرے سینے کا اور دور ہونا میرے غم کا)

پس تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے

کتابیات:

راقم الحروف نے سلف صالحین کی کتب سے ہیرے موتی چن کر اس کتاب میں سجا دیئے ہیں اپنی محنت نہ ہونے کے برابر ہے۔ کہیں کہیں ترتیب کو درست کر دیا ہے اور بعض جگہوں پر مشکل الفاظ کو سلیس انداز میں بیان کر دیا تا کہ قارئین کرام کو سمجھنے میں آسانی ہوتا ہم جواہر البلاغت، اساس البلاغہ، سواطع القرآن، لطائف قرآنیہ اور فقہ اللغہ کے علاوہ تفسیر قرطبی اور تفسیر کشاف اکثر و بیشتر پیش نظر رہی ہیں بقیہ جن کتب سے فائدہ حاصل کیا گیا ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

◎ اساس البلاغه . ابو القاسم زمخشری مطبوعه دار الکتب القاهره1972
◎ الاعجاز والایجاز للشعبی. دار الرائد بیروت 1983
◎ اعراب القرآن کریم وبیانه. محی الدین درویش .دار ابن کثیر. حمص دمشق
◎ تفسیر قرطبی ابو عبد الله محمد بن احمد القرطبی .دار الکتاب العربی .بیروت
◎ تفسیر الفخر الرازی .الامام محمد رازی. دار الفکر بیروت 1985

◎ تفسیر الکشاف .ابو القاسم الزمخشری
◎ فقه اللغه واسرار العربیه. ابو منصور الثعالبی .المکتبة العصریه. بیروت
◎ معانی القرآن. ابو زکریا یحیٰ الفراء .عالم الکتب بیروت 1980
◎ تهذیب التهذیب. لابن حجر. مطبعة الهند
◎ الرساله الشافية. عبدالقاهر جرجانی .المطبوعه دار المعارف مصر
◎ الاتقان. للسیوطی
◎ اعجاز القرآن .للامام ابی بکر محمد الباقلانی. مؤسسة الکتب الثقافية
◎ تفسیر انوار التنزیل. علامه بیضاوی
◎ مدارک التنزیل. علامه عبدالله نسفی
◎ معالم التنزیل .ابو حسن محمد بن مسعود فراء بغوی
◎ جامع الاسرار، جامع البیان، مفاتیح الغیب، الفتح القدیر
◎ عجائب القرآن. روح المعانی. مختصر المعانی، تلخیص
◎ تذکرة البلاغة، شرح عقائد، الکلام، سواطع الالهام
◎ سبعه معلقه، حجة الله البالغة، کیمیائے سعادت، جواهر البلاغة

فقیر دعا گو ہے کہ اللہ رب العزت مندرجہ بالا تمام کتب کے مؤلفین و مصنفین کو اپنے قرب کے اعلیٰ ترین درجات عطا فرمائے آمین

بحرمة سید الاولین والآخرین شفیع المذنبین سیدنا ومولانا محمد وآله واصحابه اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین